نہ کوئی اس کا نشاں
کوئی تلخی بھی تہ جام نہ چھوڑی اس نے
ایک دُکھتا ہوا دل
چوٹ تھی جس پہ لگی
چوٹ ویسی تو نہیں
درد باقی تو نہیں
لاکھ مانے نہ مگر
کچھ پشیمان سا دل
یوں بدل جانے پر
آپ حیران سا دل
اس کو کیا اپنا پتہ
یہ ہے انسان کا دل
کوئی پتھر تو نہیں
جس پہ مٹی نہیں پڑ جائے جو اِک بار لکیر

تم میری آخری محبت ہو

نفرت تھی اسے احد صدیقی سے۔

نہ جانے کیا سمجھتا تھا خود کو۔ بہت اکڑتا تھا اپنی خوبیوں پر۔ ہر بات میں خود کو ماہر سمجھتا تھا، ہر فیلڈ کا راجہ سمجھتا تھا۔ کلاس میں چلتا کوئی لیکچر ہو، یا پھر بیت بازی کا مقابلہ، شعر لکھنے کا مقابلہ ہو یا پھر اسپورٹس، وہ خود کو بادشاہ سمجھا کرتا تھا۔ جنگل کا بادشاہ۔ اور اسے وہ لگتا بھی ''جنگل'' کا باشندہ تھا۔ وہ اکثر اس کا مذاق بھی جنگلی بادشاہ کہہ کے اُڑایا کرتی تھی۔

یوں تو وہ ہر کسی کو حرمین خان کے، جو واقعی اس کے مقابل تھی ہر فیلڈ اور ہر میدان میں، اور حقیقتاً اس کی Rival بن جاتی تھی۔ یوں بھی حرمین کو اکڑے ہوئے، نک چڑھے لڑکے زہر لگتے تھے۔ وہ ہر وقت اسے ہرانا چاہتی تھی۔ گویا یہ مشن اس کی زندگی کا اوّلین مشن بن گیا تھا، کہ ان نک چڑھے، ہر فن مولا لڑکوں کو مات دے سکے اور انہیں ان کی اوقات یاد دلا سکے۔

یوں تو اسکول، کالج میں اس طرح کے کئی پیس اس کے سامنے آئے تھے، لیکن احد صدیقی تھا بھی ماسٹر پیس۔ اپنی طرز کا اکلوتا ماڈل۔ نہایت کول رہنے والا، ہر وقت مسکرانے والا۔ لیکن انتہائی ڈھیٹ اور سازشی ذہن والا۔ جملہ بازی اور حاضر جوابی کا ماہر۔

اور آج بھی ان دونوں کا مقابلہ اُردو ایم اے کے لیکچر کی کلاس میں زوروں پر تھا اور موضوع تھا شاعر۔ بے چارے مرحومین شاعر حضرات کی شامت آئی ہوئی تھی۔ باقی تمام شاگرد خاموش تھے۔ پروفیسر شمسی کے ساتھ صرف حرمین خان اور احد صدیقی ہی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

''آبجیکشن، آبجیکشن مائی لارڈ! مس خان بحث کو غلط موڑ پر لے جا رہی ہیں.....الز

کا یہ کہنا کہ غالب ایک سطحی شاعر تھا، غالب جیسے عظیم شاعر کی بے حرمتی اور بے عزتی ہے۔ مانا کہ غالب کے آخری دور کی شاعری میں پینے پلانے اور مئے نوشی کا کافی عنصر ہے، لیکن ہم اس بات سے منکر نہیں ہو سکتے کہ غالب ایک طے شدہ الہامی شاعر تھا۔'' احد اپنے مخصوص مدبرانہ اسٹائل میں بول کے لوگوں کو قائل کرنے لگا۔

''سر! میں یہ نہیں کہہ رہی کہ غالب سطحی یا غیر سطحی شاعر تھا۔ مسٹر صدیقی بحث کو غلط رخ لئے جا رہے ہیں۔ میں تو فقط یہ نقطہ اُٹھانا چاہ رہی تھی کہ غالب کی شاعری نے عشق مجازی کو اِک نئی سمت عطا کی۔ غالب کے اندر کی بے باکی نے جس طرح خطوط سے مبہم انداز اور تمثیلات ختم کیں، بالکل اسی طرح شاعری میں بھی محبوب اور شاعر کے درمیان کے تکلفات کو ختم کیا۔ غالب وہ واحد شاعر تھا، اس وقت کا جو محبوب کے تصور سے نہیں، اس کے وصال سے لطف لیتا تھا۔'' حرمین نے بھی بھرپور حصہ لیا۔

''یو مین ٹو سے مس خان! کہ غالب ایک ٹھرکی شاعر تھا، جو محبوبہ کی آنکھوں میں اُترنے کی جگہ اس کی کھڑکی میں ڈائریکٹ اُتر جاتا تھا۔'' احد کی بات پر کلاس میں ایک بھرپور قہقہہ اُٹھا۔ حرمین کو اس پہ ٹوٹ کے غصہ آیا۔

''سر! پوئر فیلو کلاس میں چلنے والی نہایت ادبی اور شائستہ گفتگو کو غلط مطلب دے رہے ہیں۔ ان سے التجا ہے کہ ٹو دی پوائنٹ ہی بات کریں۔ میں نے غالب کے متعلق ایسا کوئی غلط فقرہ استعمال نہیں کیا۔'' حرمین نے اسے جتاتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ کا مطلب ضرور یہی تھا۔'' وہ بولا۔

''جی نہیں..... اپنی ذہنیت کو درست کر لیجئے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔'' حرمین کی آنکھوں میں بے پناہ غصہ تھا۔

''او کے..... بیٹھ جا یار! پٹھان پارٹی بھڑک نہ جائے۔'' پیچھے سے ایک اور کلاس فیلو نے کہا۔ سبھی کھلکھلا کے ہنس دیئے۔ حرمین کو بے پناہ غصہ آیا اس فقرے پہ۔ وہ بھی تڑخ کے بولی۔

''ہاں جی، جنگل کے بادشاہ ہیں۔ انڈے دیں یا بچے، کوئی کچھ کہے گا تھوڑی؟''

حرمین کے کمنٹ پر لڑکیوں کی جانب سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''کیپ کوائٹ کلاس! کل ہم ترقی پسند رائٹرز کو پڑھیں گے۔ منٹو، عصمت چغتائی، واجدہ تبسم کے کچھ افسانے زیر بحث رہیں گے۔ تمام اسٹوڈنٹس اچھی طرح سے تیاری کر آئیے گا۔'' پروفیسر شمسی نے بحث کا اختتام کیا اور کلاس آف کر دی۔

''بڑا جیمز بانڈ سمجھتا ہے خود کو، نالائق کہیں کا۔'' کلاس کے ختم ہونے کے بعد احد اپنے دوستوں کے ہمراہ کسی بات پر ہنس رہا تھا، حرمین کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''تو چھوڑ ناں یار! تجھے کیا اللہ واسطے کا بیر ہے اس سے؟'' ثناء نے اسے بازو سے کھینچا اور کلاس سے باہر لے گئی۔

❖❖○❖❖

اور اگلے ہی دن ترقی پسند رائٹرز کی شامت تھی۔ منظر نامہ قریب قریب وہی تھا۔ کلاس کے چند ہونہار اسٹوڈنٹس بحث میں حصہ لے رہے تھے۔ حرمین اور احد انہیں لیڈ کر رہے تھے۔

''میرے خیال میں عصمت چغتائی، منٹو سے زیادہ بہتر افسانہ نگار تھی۔ اس کے یہاں احساسات خود بخود جملوں کی شکل اختیار کر جایا کرتے تھے۔ جب کہ منٹو اُلٹے سیدھے الفاظ کا سہارا لے کر کہانی میں کرسپ پیدا کرنے کی ناممکن کوشش کرتا تھا۔'' حرمین کے ہاتھ میں بال پوائنٹ تھا اور وہ بڑے مفکرانہ انداز میں بال پوائنٹ والا ہاتھ ہلا ہلا کے بات کر رہی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال کیچر میں قید تھے اور لٹیں اس کی گوری چٹی رنگت پہ لہرا رہی تھیں۔ احد صدیقی ایک رو چھوڑ کر اس کے سامنے والی ڈیسک پر بیٹھا تھا اور اس کی آنکھیں بھی اس کی لٹوں میں اُلجھ رہی تھیں۔

''لیکن مس خان! منٹو کی روانی اور بے باکی سے انکار کرنا تو اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔'' پروفیسر شمسی نے کہا۔

''بلاشبہ ہے سر! لیکن ادب صحیح معنوں میں اس کو کہتے ہیں جو ہم اپنی اگلی نسلوں تک بے کم و کاست منتقل کر سکیں۔ اور میرا نہیں خیال، منٹو ایسا رائٹر ہے کہ جس کے افسانے ہم اپنے بچوں کو سنا سکیں۔ بے مقصد Moral less کہانیوں کو ہم کیسے بچوں کے سامنے دوہرا سکتے ہیں؟'' حرمین پُر اعتماد تھی۔

''تو کیا مس خان! آپ عصمت چغتائی کے افسانے، اپنے بچوں کو سلاتے وقت اربین نائٹ اسٹوریز کی طرح پڑھ کے سنا سکتی ہیں؟'' احد نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ سبھی کھلکھلا کے ہنس دیئے۔ حرمین جل کے رہ گئی۔

وہ اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ گندمی رنگت اس وقت سنہری محسوس ہو رہی تھی۔ اسکائی کلر کی ٹی شرٹ اور بلیک جینز، وہ واقعی ایسا تھا کہ جس کے ساتھ کھڑا ہونا ہر لڑکی کے لئے باعث فخر ہو سکتا تھا۔

''میرا تو خیال ہے سر! کہ منٹو نہ صرف احساسات کو بیان کرنے میں ماہر ہے بلکہ وہ روحانیت کے بھید بھی جانتا ہے۔ اس کے افسانے ''ٹھنڈا گوشت'' کو پڑھیں گے تو یقین آ جائے گا کہ محبت دراصل روحانی ہوتی ہے کہ محبت میں سے روح کو نکال دیں تو جسم بیکار ہو جایا کرتے ہیں۔ محبت کی پیاسی روح ہوتی ہے اور ہم جسموں کو دوستی ٹھہراتے ہیں، انہیں سیراب کرتے ہیں۔ اُس کے افسانے ''بو'' کو پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ دراصل منٹو نے روح کو چھونے کی سعی کی ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک محبت اور قربت فقط روح کی خاطر ہیں اور روح کے لئے ہی بنائے گئے ہیں۔'' احد صدیقی یقین کے ساتھ بولا۔

پروفیسر شمسی سمیت سبھی اس کی سوچ کے قائل ہو گئے۔ سبھی نے اسے بے حد سراہا اور یقیناً اس کی یہ باتیں حرمین خان کی روح میں بھی اُتر رہی تھیں، اس کی روح بھی سیراب ہو رہی تھی۔ نجانے اسے کیا ہوا کہ وہ مزید کوئی رائے نہ دے پائی۔ فقط کچھ جملے اور الفاظ تھے جو اس کی سماعتوں میں رقص کر رہے تھے۔ وہ موجودہ وقت سے کہیں دور جانے لگی تھی۔ کلاس میں کیا موضوع چلتا رہا، اسے پتہ ہی نہیں تھا۔ وہ فقط روح اور محبت کے درمیان کے دھاگوں میں اُلجھی رہی۔

''محبت سے روح نکال دیں تو جسم بیکار ہو جایا کرتے ہیں، محبت کی پیاسی روح ہوتی ہے اور جسموں کو سیراب کرتے رہتے ہیں۔''

وہ کھو ہی تو گئی تھی۔

❖❖○❖❖

دوسرے سمسٹر میں یونیورسٹی کا اینوئل فنکشن اناؤنس ہوا اور اسٹیج ڈرامہ کے لئے اچھے اور قابل اسٹوڈنٹس سے رابطہ کیا گیا۔ حرمین اور احد بھی انہی قابل اسٹوڈنٹس کی صف میں تھے۔ رائٹرز گلڈ کا وہ دونوں پہلے ہی حصہ تھے۔ رائٹرز گلڈ کی میٹنگ ہوئی اور سبھی ممبرز موجود تھے۔ حرمین جب ہال میں داخل ہوئی تو سبھی کو اپنا منتظر پایا۔ میڈم جہاں آراء، فاروق گلڈ کی ہیڈ کی حیثیت سے کرسی پر براجمان تھیں۔

''جی تو ڈیئر ممبرز! اس سال دو اسٹیج ڈرامے پیش کئے جائیں گے۔ ایک تو اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے گروپ نے سلیکٹ کر لیا ہے، دوسرا کرنا ہے۔ آپ میں سے کسی کے پاس آئیڈیاز ہوں تو پلیز شیئر کریں۔'' میڈم نے ابتداء کی۔

''میں نے اور احد نے ایک کانسپٹ کو اسٹڈی کیا ہے۔ آسکر وائلڈ کا لکھا ڈرامہ ہے، لیکن ہم اپنی طرف سے کچھ تبدیلیاں لانے کی کوشش کریں گے تو بہت نئی اور بہترین چیز

بن جائے گی۔'' سلمان علوی نے کہا۔

''اور میرا خیال ہے میڈم! آسکر وائلڈ اور شیکسپیئر بہت ہو چکے۔ پچھلے سال ہیلمٹ بھی ترجمے اور تبدیلیوں کے بعد دکھایا گیا تھا۔ میرا خیال ہے اس سال کوئی نئی تخلیق ہونی چاہئے۔'' نائلہ علی نے کہا۔

''یس..... شی از رائٹ۔ مجھے کوئی نئی تخلیق چاہئے۔'' میڈم نے تائید کی۔

''میرے پاس ایک بالکل نیا کانسپٹ ہے میڈم! ڈرامے کا نام ہوگا ''مسیحا'' اور کہانی دو کرداروں کے اردگرد گھومے گی۔'' حرمین نے کہا۔

''مسیحا''..... انسٹرسٹنگ۔ آپ کچھ بریف کر سکتی ہیں اس کہانی کے بارے میں؟''

میڈم کے کہنے پر حرمین کہانی کے متعلق بتاتی رہی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بہت پُر اعتماد تھی۔ احد اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کرتا رہا۔ اس کے جادوئی لفظوں میں، اس کے چہرے کی گلابی رنگت میں کھویا رہا۔ اس کے چہرے کی رنگت ہمہ وقت دودھ کی طرح اُجلی رہتی تھی۔ اور جب وہ بولتی تھی یا دھوپ میں کھڑی ہوتی تھی تو وہ دودھیا رنگت، گلابی پڑ جاتی تھی جیسے کہ کسی نے دودھ کے پیالے میں روح افزاء کے چند قطرے ڈال دیئے ہوں۔

''ویل ڈن حرمین! بہت خوب..... بہت نیا اور بہت منتخب کانسپٹ ہے۔ آپ اس پہ مزید کام کریں۔ بلکہ آپ ایسا کریں زرش اور احد صدیقی کو شامل کر لیں۔ اسکرپٹ لکھنے میں یہ دونوں آپ کی مدد کریں گے۔'' میڈم نے سراہتے ہوئے کہا۔

''لیکن میڈم! احد صدیقی ہی کیوں؟'' وہ احد کی جانب کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''وہ اس لئے کہ احد صدیقی کی اسٹڈی ڈرامہ نگاری میں وسیع ہے۔ زرش انگلش لٹریچر کو پڑھتی ہے۔ ان دونوں کی مدد سے آپ کا کانسپٹ ایک بہترین ڈرامے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔'' میڈم نے حتمی طور پر کہا۔ حرمین مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

اس طرح احد صدیقی اور زرش، حرمین کے ساتھ ڈرامہ نگاری کے لئے منتخب کئے گئے۔

❖❖○❖❖

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ جہاں آراء میڈم نے زرش کے ساتھ احد صدیقی ہی کو کیوں چنا مجھے اسسٹ کرنے کے لئے؟ میرا مطلب، کوئی اور بھی تو ہو سکتا تھا۔ انیلہ علی تھی، نعمان خواجہ تھا، سہیل تھا اور انیلہ کی بہن نائلہ بھی تھی۔ پھر احد صدیقی ہی کیوں؟'' پوائنٹ میں بیٹھے بیٹھے حرمین نے ثناء سے کہا۔

''اس کی وجہ بھی میڈم تمہیں بتا ہی چکی ہیں۔ یہی کہ احد صدیقی کی اسٹڈی لٹریچر کے لحاظ سے بہت اسٹرانگ ہے اور یہ واقعی ماننے والی بات ہے۔ موصوف ہمیشہ لائبریری میں ہی پائے جاتے ہیں۔'' ثناء نے ہوا میں اُڑتے اپنے سنہری بالوں کو چہرے سے ہٹایا۔

''وہ کہاں نہیں پایا جاتا، یہ بتاؤ۔ کیا نہیں کرتا وہ۔ ہر جگہ اپنے پاؤں پھیلائے رہتا ہے اور کہاں ہے اس کی اسٹڈی اسٹرانگ؟ وہ تو لکھنے والے کے نفس مضمون کو بھی نہیں چھو پاتا۔ وہ کہاں ڈرامہ لکھ پائے گا؟'' حرمین بضد تھی۔

''لیکن اب تو فائنل ہو چکا کہ وہ تمہیں اسکرپٹ لکھوائے گا۔ تم تو یوں بھی اس سے خوامخواہ چڑتی ہو۔ اتنا بھی برا نہیں ہے وہ۔'' ثناء مسکرائی۔

''زہر لگتا ہے مجھے وہ اور اس کی مطمئن ہنسی بھی۔'' حرمین نے چڑ کر کہا۔ ثناء نے نفی میں گردن ہلائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جانتی تھی، حرمین کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔''

❖❖○❖❖

اگلے ہی دن شروع کے پیریڈز کے بعد ایم۔ اے انگلش کی زرش کے ہمراہ احد اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''حرمین! چلو کسی بہتر جگہ بیٹھ کے ہم پلاٹ ڈسکس کرتے ہیں اور پھر لکھنے کی شروعات کریں گے۔'' زرش نے کہا۔

''او کے..... میرا خیال ہے، لائبریری چلتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ لائبریری میں ہم اس وقت جائیں گے جب اسکرپٹنگ کی شروعات ہو گی۔ فی الحال ہمیں ڈسکس کرنا ہے، جو لائبریرین ہرگز کرنے نہیں دے گا۔'' احد بولا۔

''تو پھر کہاں چلیں؟'' زرش نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، کینٹین میں چلتے ہیں۔ موسم بھی کتنا مزے کا ہے۔ چائے پیتے پیتے ڈسکس کریں گے۔'' احد نے خیال ظاہر کیا جو کہ حرمین کو بالکل بھی پسند نہیں آیا۔''

''گڈ آئیڈیا! بارش میں چائے پینا مجھے ہمیشہ سے پسند ہے۔'' زرش کھلکھلا دی۔

ہلکی ہلکی بوندوں میں وہ ان کے ہمراہ کینٹین کی جانب چل پڑی۔ زرش اور احد اس کے آگے آگے ہم قدم ہو کے چل رہے تھے اور زرش، احد کی باتوں پہ ہولے سے ہنس رہی تھی اور حرمین نہایت خاموشی سے ان کے پیچھے چل رہی تھی۔

نومبر کے مہینے میں پڑتی بوندیں جسم پہ ٹھنڈا ٹھنڈا سا احساس جگا رہی تھیں۔ چلتے چلتے احد نے پیچھے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ ہاتھ میں فائل اٹھائے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتی زمین کی طرف دیکھتی چل رہی تھی۔ اس کا کاسنی ریشمی دوپٹہ ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

''آپ کا کانسپٹ بہت اچھا ہے۔ اس پہ ایک بہترین پلاٹ اور اسکرپٹ بنایا جا سکتا ہے۔'' احد نے اپنے قدم آہستہ کیے اور زرش سے پیچھے ہو کے حرمین کے ساتھ چلنے لگا۔

''تھینک یو!'' وہ محض اتنا ہی بولی۔

''آپ کو لکھنے لکھانے میں دلچسپی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں رائٹرز کی فیملی سے بی لانگ کرتی ہوں۔ میری والدہ اُردو کی مشہور افسانہ نگار تھیں۔ انہوں نے ڈائجسٹ اور رسالوں میں تیس سال تک لکھا۔ لکھنے کے جراثیم تو موروثی ہیں۔'' وہ بظاہر زرش کی طرف دیکھ رہی تھی اور احد کے سوال کا جواب دے رہی تھی۔

''ویل ڈن..... بہت خوب!'' احد نے سراہا۔ چلتے چلتے وہ سب کیفے ٹیریا کے پاس آ گئے۔

''کیفے تو پہنچ گئے ہیں۔ یہ تم کہاں چلتے چلے جا رہے ہو؟'' زرش نے آگے بڑھتے ہوئے احد کو ٹوکا۔

''کیا تم لوگ اس تھرڈ کلاس کیفے کی گندی کرسیوں پہ بیٹھ کے چائے پیو گے؟'' وہ بولا۔

''تو پھر اور کہاں؟''

''گیٹ سے نکل کر دو قدم کے فاصلے پہ ہمارے نوشاد بھائی کا ڈھابہ ہے۔ دس روپے کی چائے کے کپ میں غضب کا ذائقہ ہے۔ اس کی اوپن ایئر چارپائیوں پہ بیٹھ کے اس موسم کو انجوائے کرنے کا مزا ہی اور ہے۔'' احد کے لہجے میں بے پناہ کھنک تھی۔ زرش بھی کھلکھلا دی۔ زرش تھی بھی کچھ ایڈونچر پسند لڑکی۔ وہ حرمین کی طرح رزرو ڈ اور بور نہیں تھی۔ وہ جدید تراش خراش کے کپڑے پہنتی تھی۔ آج بھی اس نے نیلی جینز کے ساتھ فیروزی کھلا کرتا پہنا تھا۔

یونیورسٹی گیٹ پھلانگنے کے بعد واقعی ذرا سے فاصلے پہ کیفے سعید کا بورڈ نظر آیا، جس کے باہر چار پانچ عام سی چارپائیاں رکھی تھیں۔ وہ تینوں بھی انہی میں سے ایک چارپائی میں بیٹھ گئے۔ بوندیں برسنا اب بند ہو گئی تھیں مگر سفید بادلوں نے اپنے وجود سے پورا نیلا

آسمان ڈھک رکھا تھا۔

''نوشاد بھائی! مہمان لایا ہوں۔ ذرا تین اسپیشل کپ چائے لانا۔'' احد نے بڑے اسٹائل سے کہا اور آلتی پالتی مار کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور حرمین دل ہی دل میں کڑھتی رہی کہ یہ بھی کوئی جگہ ہے بھلا پلاٹ ڈسکس کرنے یا اسکرپٹ لکھنے کی، حتیٰ کہ چائے پینے کی؟ اگر اسے کسی نے یہاں دیکھ لیا تو کتنا مذاق اُڑایا جائے گا اس کا۔ کتنی انسلٹ ہوگی اس کی، اتنے ویل آف بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھنے والی حرمین خان معمولی سے ڈھابے میں چارپائی پہ بیٹھ کے چائے پی رہی ہے۔

یہ احساس شروع میں تو بہت ہی گہرا تھا لیکن آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا اور یہ احساس معدوم ہوتا گیا۔ اس خوبصورت موسم میں وہ خاص ذائقے دار چائے کی پیالی پینا، احد کی مسکراہٹیں اور لطیفے سننا، اس کی جادوئی باتوں میں ایک کشش تھی۔ وہ مسلسل بول رہا تھا۔ اس کے بولنے کی رفتار بہت زیادہ تھی۔ موسم، لٹریچر، یونیورسٹی فیلوز کے متعلق بولتے بولتے وہ بہت اچانک حرمین کے کانسپٹ کی طرف نکل گیا اور اس نے اسکرپٹ اور مناظر کے متعلق ایسے ایسے آئیڈیاز دیئے کہ حرمین خود حیران رہ گئی۔

یہ ملاقات یادگار تھی اور خوب صورت بھی۔ اس کا احساس اسے ملاقات کے اختتام پہ ہوا تھا۔

❖❖○❖❖

محبت، کائناتی وسعتوں سے بھی
کہیں آگے کی، لامحدود وسعت ہے
کسی چہرے کو آنکھوں اور خوابوں کی دعا پر نقش کرنا
اور اس کے بارے میں سوچنا
اور اپنی ہر خواہش کو بس اس ذات تک محدود کر لینا
کبھی مل کر کسی سے
بے خبر، آدھے سمندر تک سفر کرنا
شبوں کے گنبدوں میں گونجتی، بے چینیوں کے درمیاں رہنا
ہمیشہ بے خیالی میں
ستاروں، چاند، تاروں، بادلوں پر
اس کے بارے میں کوئی جھلملاتی بات لکھ دینا

یا پھر لکھ کر مٹا دینا
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
بہت ہی رُوٹھ کر، ناراض ہو کر
اس کے چہرے کو ہمیشہ کھوجتے رہنا
وہ مانے یا نہ مانے، بس اسے لکھنا
اسے کہنا، محبت ہے.....!

''حرمین خان! تمہارا تصور مجھے قرار لینے کیوں نہیں دیتا؟'' اسکرپٹ کے پیپرز سامنے رکھے تھے، جن پہ فقط چند سطریں ہی وہ لکھ سکا تھا۔ بار بار حرمین کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔ وہ بار بار اسے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''فار گاڈ سیک حرمین! مجھے لکھنے دو۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال پکڑ کے سر کے بال زور زور سے ہلانے لگا۔

''کیا ہے یہ؟..... وہاٹ از دِس؟..... کیوں سوچ رہا ہوں میں تمہیں؟..... کیوں لکھ رہا ہوں میں تمہارا نام؟..... کیا ہو گیا ہے مجھے؟'' وہ نفی میں گردن جھٹکنے لگا اور لکھنے کا ارادہ ترک کر کے ٹیبل سے اُٹھا اور اپنی جیکٹ پہننے لگا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اس کے روم میٹ، سہیل نے پوچھا۔

''ذرا ہائی وے پہ واک کرنے جا رہا ہوں..... آ جاؤں گا جلدی۔'' موبائل فون اپنی جیب میں ڈالتا وہ ہاسٹل کے کمرے سے نکل آیا۔

باہر جامشورو کی ٹھنڈی سڑک تقریباً سنسان تھی۔ بس گاڑیوں کا شور تھا، جو رات کے سناٹے میں ایک گونج پیدا کرتا اور پھر خاموشی چھا جاتی۔

سامنے یونیورسٹی کی امپلائز کالونی تھی اور کچھ ہی فاصلے پر ماروی ہاسٹل، جہاں کسی کمرے میں احد صدیقی کی بے قراری کی وجہ محوِ خواب ہوگی۔

وہ تارکول کی بنی سڑک پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا چلنے لگا۔ ایک گولڈ لیف کی سگریٹ بھی سلگا لی تھی۔

''کیا ہے اس لڑکی میں؟..... کیوں اس کا خیال بار بار مجھے پریشان کر رہا ہے؟..... وہ نک چڑھی، خود پسند، گھمنڈی لڑکی، جس کی آنکھوں سے میرے لئے فقط نفرت کے شعلے اُبلتے ہیں، وہ لڑکی کیوں میری نیندیں اُڑا رہی ہے؟..... کیا مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے؟ محبت؟..... محبت؟..... محبت؟'' وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔

"مگر کیوں؟ کس لئے؟ کس طرح؟" سگریٹ پہ سگریٹ سلگ رہی تھی۔ اسی طرح سوال غل مچا رہے تھے اور ہر چیز کے اوپر حاوی ہو رہا تھا، ایک دودھیا، چاند سا معصوم چہرہ، شفاف جھرنوں کی بہتی آنکھیں اور ان کی ستاروں ایسی چمک۔ جاشورد کی ٹھنڈی پڑتی رات کے سنسان آکاش میں ستارے اپنی جگمگاہٹ بکھیرتے رہے۔

❖❖○❖❖

اور اگلے ہی دن وہ اپنی دھن میں مگن یونیورسٹی کی جانی پہچانی راہگذر پہ سیٹی پہ کوئی دُھن بجاتا جا رہا تھا۔ موسم بے حد اچھا تھا۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی اور دُھند تھی اور آسمان سے بادل اور کہرا ایک ساتھ زمین پہ چھائے تھے۔ یونیورسٹی کے احاطے کے اندر قدم رکھتے ہی سفید اور پیلے پھولوں والی سڑک شروع ہو گئی تھی۔ یہ سڑک احد کو بے حد پسند تھی۔ سفید اور پیلے ننھے ننھے پھول بے پناہ سبزے کے ساتھ کھلے ہوئے تھے۔ وہ اپنی دُھن میں مگن آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ذرا آگے جا کے اس نے لڑکوں کا رش دیکھا اور اس رش کے بیچ اسے حرمین کا چہرہ نظر آ گیا۔ چاہتا تو وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ سکتا تھا مگر بے ارادہ اور بے اختیار ہی اس کے پاؤں آگے کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ حرمین کا دوپٹہ کانٹوں بھری جھاڑی میں بری طرح پھنسا ہوا ہے اور وہ اسے احتیاط سے نکالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں فائل اور کتابیں ہیں۔ لڑکے اس کی مدد کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ مسلسل انکار کر رہی تھی۔

"پلیز! آپ چھوڑ دیں، میں نکال لیتا ہوں۔" ایک کلاس میٹ نے پیشکش کی۔

"نو تھینکس! میں نے کہا ناں، میں نکال لوں گی۔" وہ بے رُخی سے بولی۔

اچانک احد وہاں آیا اور اس کا دوپٹہ چھڑانے لگا۔ بنا پوچھے، بنا سوال کیے یا اجازت مانگے، بہت حق، بہت استحقاق سے۔ اور حیرت انگیز طور پر اس نے بھی اسے نہیں روکا۔ باقی لڑکے ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے۔ ذرا سی احتیاط اور کوشش کے بعد دوپٹہ وہاں سے نکل آیا۔ احد نے اسے اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے بہت خاموشی سے اس سے لے لیا اور اسی خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

❖❖○❖❖

"میں چھٹیوں میں اٹک جا رہی ہوں۔ دو ماہ وہیں گزاروں گی۔" حرمین نے کتاب پڑھتے پڑھتے اچانک ہی ثناء سے کہا تھا۔ رات کا کوئی دس گیارہ بجے کا وقت تھا اور دونوں

جاگ رہی تھیں۔

"میں بھی سکھر جاؤں گی۔ یوں تو ہمارے سکھر میں چھٹیاں انجوائے کرنے کے لئے کوئی خاص جگہ نہیں، لیکن پھر بھی گھر تو ہے۔ میں تو دو ماہ خوب سوؤں گی۔" ثناء نے مزے لے کر کہا۔

"سوتی رہنا۔ ایگزام یہاں پہ تمہارے فرشتے دیں گے۔" حرمین نے کہا۔

"کاش! فرشتے ایگزام دے دیتے۔ دو فرشتے تو کندھوں پہ بیٹھے لکھتے رہتے ہیں۔ کاش ایگزامینیشن ہال میں آ کے ہماری طرف سے لکھ دیتے۔" ثناء نے خوش ہو کے کہا۔

"تمہیں جتنی نیند کی بیماری ہے ناں، تمہارے فرشتے بھی اتنا ہی سوتے ہوں گے۔ کسی کام کے نہ ہوں گے۔" حرمین نے اسے چھیڑا۔

"اچھا بند کرو اپنا یہ ٹاپک اور بتاؤ، قصہ چہار درویش کو اپنے لفظوں میں لکھا کہ نہیں؟"

"تُو جان چھوڑ دے قصہ چہار درویش کی۔ صبح کر لینا۔ فی الحال میرا موڈ نہیں۔" ثناء نے اس کی کتاب چھین کے بند کر لی۔

"تو کیا کرنے کا موڈ ہے محترمہ؟" وہ بولی۔

"باہر سردی میں واک کرنے کا موڈ ہے۔" ثناء نے آنکھ دبائی۔

"باہر کہاں؟.....کاریڈور میں؟"

"ارے نہیں یار! ہاسٹل کے باہر، مین روڈ پہ۔" ثناء نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن وارڈن کو کیا کہو گی؟" حرمین نے حیرانی سے پوچھا۔

"دفع کرو وارڈن کو.....اس پھولن دیوی سے نمٹ لوں گی اگر اسے پتہ چلا تو۔ تُو اُٹھ فی الحال۔"

ثناء اسے کھینچتی اندر کمرے میں لے گئی۔ اس نے سیاہ رنگ کی شال اوڑھی جس پہ گلابی پھول بنے ہوئے تھے۔ ثناء نے بھی ایک سوئیٹر لے لیا اور دونوں بہت خاموشی سے وارڈن سے آنکھ بچا کے ہاسٹل سے باہر نکل آئیں۔

دُھند سے بھری خنکی میں دونوں واک کرنے لگیں۔ خاموشی اور سناٹا تھا۔

"کس سوچ میں گم ہو محترمہ؟" ثناء نے اسے ٹوکا۔

"اپنے اسکرپٹ کے متعلق سوچ رہی تھی.....کہانی بہت Unusual قسم کی ہے۔ بہت ہی انوکھا عشق، جو کہ آج کے دور میں پایا ہی نہیں جاتا۔" وہ بولی۔

"کس قسم کا عشق ہے یہ، جو ناپید ہے؟" ثناء نے دلچسپی لی۔

''ایسا عشق کہ جو ہوش و حواس پہ حاوی ہو جاتا ہے۔ جس میں انسان کا اپنا آپ، انسان کی ذات سرے سے ہی مٹ جاتی ہے۔ کچھ نہیں بچتا اس کے پاس، سوائے اس کے جو اس کا عشق ہوتا ہے۔ تصور ہی تصور میں اسے اپنے اندر بساتے وہ اپنا آپ کھو دیتا ہے۔'' حرمین نے گہرائی سے بیان کیا۔

''وہ کیا کہا ہے شاعر نے ۔

''اچھا خاصا بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتا ہوں
اکثر میں اب، میں نہیں رہتا، تم ہو جاتا ہوں''

ثناء نے شعر پڑھا۔

''ہاں..... کچھ اسی طرح کا عشق، کہ جو اپنی ذات بھلا دے۔ بس اسی کی ذات سامنے رہے۔ اپنا جینا مرنا کوئی حیثیت نہ رکھے۔ دنیاوی ہر چیز فنا ہو جائے، فقط عشق زندہ رہے۔'' حرمین کے چمکتے الفاظ اس کے روشن ذہن کے آئینہ دار تھے۔

''بہت خوب..... کہاں تک پہنچا تمہارے اس عشق کا اسکرپٹ؟'' ثناء نے پوچھا۔

''میں نے کچھ حصہ لکھ لیا ہے، باقی احد صدیقی لکھ رہا ہے۔ کل میٹنگ ہے پھر۔ زرش کسی اور ساتھی کے ساتھ ڈرامے کی میکنگ میں حصہ لے رہی ہے۔ ایکٹرز ڈھونڈ رہی ہے۔ کردار تو فقط دو ہی ہیں، امان اور ثانیہ کے۔ ثانیہ کے کردار کا زیادہ تر حصہ میں نے لکھا ہے، باقی احد صدیقی نے۔''

چلتے چلتے وہ دونوں ہاسٹل سے کافی دور آ گئی تھیں۔ ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔ حرمین اپنی شال میں مزید سمٹتی جا رہی تھی۔ ذرا دور ہائی وے پہ سیمنٹ کے بنے سنگ میل پہ انہیں ایک شخص نظر آیا۔ عام سے شلوار قمیض میں، سردی سے بالکل بے نیاز، ہاتھ میں سگریٹ دبائے۔ سگریٹ سے نکلتا دھواں فضا کی دھند میں تحلیل ہو رہا تھا۔

''یہ کون ہو سکتا ہے؟ اتنی سردی میں اکیلا کھڑا ہے۔'' حرمین نے پوچھا۔

''مجھے تو احد صدیقی لگ رہا ہے۔ بات کرنی ہیں تو چلیں اس کے پاس؟'' ثناء بولی۔

''پاگل ہو گئی ہو کیا؟..... ہاسٹل میں اسکینڈلز کتنی جلدی بن جاتے ہیں۔ رات کے اس پہر، بنا انفارم کیے ہم نکل آئے ہیں۔ کسی نے اس سے بات کرتے دیکھ لیا تو بہت بڑا اسکینڈل بن جائے گا۔'' حرمین نے گھبرا کے کہا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ لیکن یہ اتنی رات گئے یہاں کر کیا رہا ہے؟'' ثناء کو تشویش ہوئی۔

''آیا ہو گا ملنے کسی ہاسٹل کی لڑکی سے، یا پھر سگریٹ پھونکنے آیا ہو گا۔'' حرمین نے چڑ کے کہا۔

''تمہیں اُس غریب سے آخر پرابلم کیا ہے؟..... کیوں ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو؟''

''زہر لگتا ہے مجھے یہ۔ مردوں کی انتہائی بری قسم میں سے ہے۔'' حرمین نے شکل بنائی۔

''اس طرح کی نفرتیں ہی اکثر محبتیں بن جایا کرتی ہیں۔'' ثناء نے اسے چھیڑا۔

''محبت۔ ہونہہ۔ میں تو احد صدیقی کو نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔ جس شخص پہ کبھی اعتبار ہی قائم نہ ہو سکے، اس سے محبت کیا خاک ہو گی؟'' حرمین نے ناک سکیڑ کے کہا۔

''پتہ نہیں، اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟..... ذرا سے اختلافات ہو جایا کرتے ہیں، مگر اس قدر نفرت، میری تو سمجھ سے باہر ہے۔'' ثناء نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''اچھا، چلو تم واپس۔ وارڈن کو پتہ چل گیا تو بہت برا ہو گا ہمارے ساتھ۔''

حرمین واپسی کے راستے پر اسے کھینچتی لے گئی لیکن مڑ کے ایک بار احد صدیقی کی طرف دیکھا ضرور تھا، جو رات کی تاریکی میں کسی کھنڈر میں سجا، کیشو کا وہ بت لگ رہا تھا، جس کے ہاتھ میں بانسری ہوتی ہے۔ نجانے یہ خیال کیوں حرمین کے دل میں آیا تھا کہ احد بھی کیشو کی طرح بہت اچھی بانسری بجا لیتا ہو گا۔

اور احد صدیقی نے اسے مڑ کے دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ خوش فہمی کے احساس نے دل میں چٹکی لی اور پہلے سی بے قراری کہیں کھو سی گئی۔

❖❖○❖❖

اگلے ہی دن اسے احد صدیقی نے اپنا لکھا اسکرپٹ پکڑایا۔

''میں نے اپنی طرف سے پورا پورا انصاف کیا ہے اسکرپٹ کے ساتھ۔ باقی اگر کوئی تبدیلی آپ چاہیں تو بلاشبہ کر سکتی ہیں کہ یہ کانسپٹ آپ کی تخلیق ہے اور آپ کو مکمل حق حاصل ہے اپنی طرف سے کہانی کو بدلنے کا۔'' وہ بہت پُر اعتماد تھا۔

''اوکے، فائن۔ کل تو چھٹی ہے۔ ایسا کرتے ہیں، پرسوں فائنل میٹنگ رکھتے ہیں۔ جب تک میں یہ اسکرپٹ پڑھ کے مکمل طور پہ لکھ لوں گی اور پھر ہمارا کام مکمل۔ آگے پھر زرش اور ڈرامہ بنانے والوں کا کام ہے'' وہ بہت لئے دیئے انداز میں بولی اور اسکرپٹ کا پلندا سنبھالتی آگے بڑھ گئی۔

احد صدیقی کی آنکھوں نے حد نظر تک اس کا تعاقب کیا۔ جب وہ آنکھ سے اوجھل

ہوئی تو وہ واپس مڑ گیا۔

رات کی تنہائی میں احد کے ہاتھ سے لکھا اسکرپٹ اور اس کے الفاظ ٹیبل پہ بکھرے پڑے تھے۔ وہ مکمل طور پہ اس کے لفظوں کے سحر میں کھوسی گئی تھی۔

''میں نے ایک کہانی پڑھی تھی ثانیہ! کہ جس میں کیشو کے پتھر کے بت پہ رمبھا کی نظر پڑ جاتی ہے۔ کیشو کو زندگی میں کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی، سوائے اپنی وینا کے۔ لیکن رمبھا کو دیکھ کے وہ دیوانہ ہو جاتا ہے، اپنا آپ کھو دیتا ہے اور رات کے وقت اپنے شیو سے التجا کرتا ہے کہ اس میں جان ڈال دی جائے تا کہ وہ رمبھا کی محبت حاصل کر سکے..... تمہیں دیکھ کے میرے اندر بھی کچھ اس طرح کی دیوانگی آ گئی ہے ثانیہ!..... تم نے بھی مجھے پتھر سے انسان بننے پر مجبور کر دیا ہے۔''

احد کے ہاتھ سے لکھے ڈائیلاگ پہ وہ حیران رہ گئی۔ پچھلی رات ہی تو احد کو تاریکی میں کھڑا دیکھ کر اسے کیشو کا خیال آیا تھا اور آج اس نے احد کے ہاتھ سے وہی سب کچھ لکھا دیکھا تھا۔

وہ حقیقی طور پر احد کے ہاتھ سے لکھے لفظوں میں کھوسی گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کس طرح لکھ لیتا ہے یہ شخص اتنے اچھے الفاظ؟ اتنے نرم، ملائم جذبات کا ادراک کس طرح سے ہے اس کو؟..... محبت میں مٹ جانے کی وہ تھیوری، جو خود حرمین نے اپنی کہانی میں ڈیویلپ کی تھی، اس تھیوری کی ہو بہو عکاسی احد کے الفاظ کر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ تمام کا تمام اسکرپٹ کسی ایک فرد نے لکھا ہے۔ احد اور حرمین دونوں ہی کے احساس یکساں تھے۔

❖❖○❖❖

اور اس رات وہ سوئی تو تمام کی تمام رات اس کی احد کے ہمراہ گزری۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک پرانا مٹی کا اور پتھر کا کھنڈر ہے، جہاں کیشو کا بت ہے، جس کے ہاتھ میں صدیوں پرانی وینا ہے۔ حرمین آتی ہے اور اس بت کے پاس بیٹھ جاتی ہے۔ شام ڈھلتی ہے، رات ہوتی ہے اور کیشو کا بت احد کا روپ دھار لیتا ہے۔ اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ وہ اپنی رمبھا یعنی حرمین کے لئے اپنی وینا بجاتا ہے۔ اس وینا میں سے ایسی ایسی دھنیں نکلتی ہیں، جو زمین و آسمان کو لرزا دیتی ہیں۔ چاروں طرف محبت کا نور چھا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ستارے، چاند، بادل، کہکشاں سبھی کچھ احد کی واہکن کی دھنوں پہ جھوم رہے ہیں، گا رہے ہیں۔ وہ بھی آنکھیں موندے اس کی گردن سے اپنا سر ٹکائے، بہت کھوئے

کھوئے انداز میں بیٹھی ہے۔ اچانک وینا کی تار سے احد کا ہاتھ کٹ جاتا ہے اور خون کی ایک دھار سی اس کے ہاتھ سے نکلتی ہے۔ حرمین گھبرا کے اپنا دوپٹہ اس کے ہاتھ پہ باندھ دیتی ہے۔

اچانک اُس کی آنکھ کھلی اور وہ تڑپ اُٹھی۔ کچھ سنبھل کے اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے گلاس والا پانی لیا۔ وہ خواب کو خواب ہی سمجھی تھی۔ پھر دوبارہ اس نے سونے کی کوشش کی، لیکن خواب کا منظر اب اسے سونے ہی نہیں دے رہا تھا۔

یہاں تک کہ سحر ہونے لگی اور فضا میں اذان کی آوازیں بکھرنے لگیں۔

❖❖○❖❖

''بہت پرفیکٹ اسکرپٹ ہے حرمین! ویل ڈن۔ اور احد! آپ نے بھی خوب لکھا ہے۔'' میڈم جہاں آراء اسکرپٹ پڑھ کے بولیں۔

''تھینکس میڈم! لیکن اصل محنت حرمین خان کی ہی ہے۔ پلاٹ ان کا تھا، کردار اور کانسپٹ ان کا تھا۔ میں نے کچھ خاص نہیں کیا۔'' وہ مروّت سے بولا۔

''یس..... آف کورس! کریڈٹ انہی کو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے، آج سے ریہرسل اسٹارٹ کروا دیں زرش! پلے میں دس دن ہی باقی ہیں۔'' میڈم نے زرش کو مخاطب کیا۔

''او کے میڈم!..... تمام کرداروں کے لئے ہم نے فنکار سلیکٹ کر لئے ہیں، لیکن بیک گراؤنڈ تھیم کے لئے ہمیں ایک واہکن بجانے والے کی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ حرمین کے کانسپٹ کے مطابق واہکن کا میجر رول ہے پلے میں۔'' زرش نے کہا۔

''دور کیوں جاتی ہے مس زرش! کیا آپ کو نہیں پتہ کہ احد صدیقی بہت اچھا واہکن پلے کرتا ہے۔'' سلمان نقوی نے کہا۔ سبھی سمیت حرمین نے بھی احد کو دیکھا۔

''واقعی احد! تم واہکن بھی بجا لیتے ہو؟'' زرش بے حد خوش ہوئی۔

''بس، یونہی تھوڑا بہت۔'' وہ مسکرایا۔

''او گریٹ! سارے فنکار تو گھر میں ہی مل گئے۔ اگر تم ذرا بجا کے دکھاؤ گے تو کچھ آئیڈیا ہو جائے گا۔'' زرش بولی۔

''شیور۔ لیکن واہکن ہے کہاں؟''

''میوزک روم میں ایک پرانا واہکن موجود ہے۔ اگر تم ابھی چل کے سنا دو کچھ تو کل سے ریہرسل میں تم بھی شامل ہو جانا۔''

زرش کے کہنے پر سبھی نے اتفاق کیا۔ وہ بھی کچھ کہہ نہ سکا اور اُٹھ کے ان کے ساتھ

میوزک روم جانے لگا۔

''تم نہیں آ رہیں حرمین؟'' زرش نے اسی طرح بیٹھی حرمین سے پوچھا۔

''نہیں زرش! آپ لوگ جائیں..... مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے۔ کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' اس نے معذرت کی۔

احد کی آنکھوں میں جلتی روشنیاں یکایک مدھم پڑ گئیں۔ نجانے اس لڑکی کی موجودگی میں ایسا کیا تھا کہ دل پہ اک خاموشی سی چھا جاتی تھی۔

اگلے دن اسکرپٹ کی فائنل میٹنگ کی غرض سے حرمین، آڈیٹوریم میں داخل ہوئی۔ زرش نے پہلے اسے ان اسٹوڈنٹس سے ملوایا جو کہ ڈرامے کو ایکٹ کرنے والے تھے۔ حرمین ان سے مل کر بہت مطمئن ہوگئی۔ پھر زرش نے احد کو وائلن بجانے کو کہا۔

آج احد اپنا ذاتی وائلن اٹھا لایا تھا۔

زرش کے کہنے پر احد نے اپنے وائلن کی سیاہ چکنی سطح پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس نے تاروں کو آہستہ سے چھوا اور اسے اٹھا کے وہ آڈیٹوریم میں بنی ایک کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پہ گہری سنجیدگی چھائی تھی۔ پھر اُس نے وائلن اپنے کندھے پہ رکھا اور بجانے لگا۔ کسی نغمے کی دلفریب دُھن اس کی تاروں سے نکلتی رہی اور حرمین کے دل کے خاموش کواڑوں کو کھولتی رہی اور دُور کہیں روح کی رگ و پے میں روشنی کی طرح پھیلتی رہی۔

حرمین کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ وہ کھو سی گئی۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کے احد کے وائلن کے ہمراہ دور کہیں سفر کرنے لگی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کسی پرانے کھنڈر میں کیشو اپنی وینا بجا رہا ہے اور اس کی رمبھا اس کے کندھے سے لگی اس کی دُھن سن رہی ہے۔

احد کی آنکھیں بھی حرمین کے چہرے پر بھٹک رہی تھی۔ اس کا صبیح چہرہ دیکھ کے احد پہ پھر وہی بے قراری چھا گئی تھی، جو روز رات کو اس کا چین چھین لیا کرتی تھی۔ وہ بہت بے قراری سے وائلن بجانے لگا۔ اب ایک تیزی اور رفتار سی پکڑ لی تھی اس کے ہاتھ نے۔ یوں لگ رہا تھا، حرمین اور احد ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے ہیں۔

اچانک..... بہت اچانک، احد کا وہ ہاتھ جس نے وائلن تھام رکھا تھا، تاروں کے درمیان آ گیا اور تار سے ٹکرا کے زخمی ہو گیا۔

''آہ.....'' احد نے تار ہٹالی اور خون بہتے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔

دُھن کے بند ہوتے ہی حرمین کی آنکھ کھلی۔ جیسے وہ نیند سے جاگی تھی۔ احد کے ہاتھ سے بہتا خون دیکھ کے وہ تڑپ اُٹھی اور دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ اسے احساس ہی نہ تھا کہ یہاں ان کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ موجود ہیں۔ اس نے اپنے کاسنی دوپٹے کو پھاڑا اور اسے احد کے ہاتھ پہ باندھ لیا۔ احد خود بھی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ ذرا دیر بعد حرمین کو بھی احساس ہوا کہ اس نے کیا کر دیا تھا۔

ہو بہو، خواب کا منظر حقیقت بنا تھا۔

شرمندگی، خجالت کا عجیب احساس تھا اس کے اوپر۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کے آڈیٹوریم سے باہر آ گئی۔ احد حیران آنکھوں سے کبھی اپنے ہاتھ پہ بندھی پٹی کو دیکھتا تو کبھی اس دروازے کو، جہاں سے وہ ابھی ابھی گئی تھی۔

❖❖○❖❖

چھٹی کے بعد وہ کلاس روم سے باہر آئی تو احد صدیقی اسی کا منتظر تھا۔

''اگر آپ کے پاس کچھ وقت ہو تو ذرا میری بات سنئے۔'' احد نے اسے کہا۔ اس کے ہاتھ پہ اب بھی وہی پٹی بندھی تھی۔

''وائے ناٹ۔ کہئے۔'' وہ بولی۔

''یہاں نہیں، یہاں رش ہے۔ کیفے چلیں؟'' اس نے پیشکش کی۔

''نہیں، کیفے تو نہیں۔ البتہ یونیورسٹی گیٹ تک میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے اس دوران آپ کی بات مکمل ہو جائے گی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''تو پھر چلئے۔'' دونوں چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتے آگے چلنے لگے۔

''دراصل میں شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔'' وہ واقعی اس کا مشکور تھا۔

''شکریہ کی تو کوئی بات نہیں۔ مگر اس وقت نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں آپ کے وائلن کی دُھن میں اس قدر کھو گئی تھی کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔ اور اس کے بعد جو کچھ بھی میں نے کیا، وہ میں نے خود نہیں کیا۔ یوں لگتا ہے جیسے مجھ سے کروایا گیا ہو۔'' وہ پہلی بار احد سے نرمی اور اپنائیت سے بات کر رہی تھی۔

''لیکن مجھے بہت اچھا لگا یہ سب۔ آپ کو میری دُھن کیسی لگی؟'' وہ بولا۔

''بہت اچھی..... بہت ایمانداری اور لگن سے بجایا آپ نے وائلن۔'' اس نے دل سے تعریف کی۔

''وائلن تو میری روح ہے۔ اور یوں بھی فنکار کو اپنے ساز سے محبت کرنی ہی پڑتی

ہے۔ جب تک محبت رہے گی، ساز بھی عمدہ بجے گا۔'' احد نے کہا۔

''محبت آدمی ایک ہی بار کر سکتا ہے ناں؟'' حرمین نے کہا۔

''ایک سے زیادہ چیزوں سے بھی محبت کر سکتا ہے۔ وہ دامکن ہو یا پھر کوئی شخص، گیت ہو یا پھر کوئی فن۔'' احد پُر اعتماد تھا۔

''لیکن اپنا آپ کھونے کے لئے تو ایک محبت ہی کافی ہوتی ہے۔'' حرمین نے جواب دیا۔ احد خاموشی سے اسے دیکھتا ہے۔

'کیا اسے کسی سے محبت ہے؟ کیا وہ محبت کی آگ میں سلگنا جانتی ہے؟ کیا اسے محبت کی بے قراری کا علم ہے؟ اور اگر ہے تو کس سے ہے؟'

❖❖○❖❖

''اُٹھ جاؤ یار! رات کے دو بج رہے ہیں اور تم پچھلے تین گھنٹوں سے اسی کھڑکی میں بیٹھے اپنے ہاتھ پہ بندھی اس پٹی کو دیکھ رہے ہو۔'' فاروق نے بیڈ پہ لیٹے لیٹے اسے ٹوکا تھا۔

''تجھے کیا پتہ، اس پٹی میں کیسی خوشبو ہے؟ کیسا سرور ہے؟'' احد نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

''جانتا ہوں۔ بقول تمہارے اس دشمن جاں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے زخم پہ مرہم رکھا ہے۔ تمہارے لئے تو یہ زخم ہی انمول ہے۔'' فاروق نے کروٹ بدل کے کہا۔

''زخم تو واقعی انمول ہے۔ لیکن اسے دشمن جاں مت کہو۔ وہ تو مسیحا ہے میرے لئے۔ اسی نے تو اِک پتھر کے بت میں جان ڈالی ہے۔ اسی نے تو آگہی کے نئے در وا کئے ہیں میرے اوپر۔'' احد کے لہجے میں گہرائی اور گمبھیرتا تھی۔

''بتا کیوں نہیں دیتا اُسے، جب اُسے اتنا چاہتا ہے؟ پہلے ہر وقت اس کے مقابلے پہ اڑا رہتا تھا اور اب خود ہی مات کھالی۔''

''یار! تُو کیا جانے، محبوب سے ہارنے میں کتنا مزا آتا ہے۔ اور اسے بھی نہیں بتاؤں گا۔ اگر میرے دل کی لگن سچی ہوئی تو وہ خود ہی سمجھ جائے گی، ایک نہ ایک دن، بنا کہے، بنا سنے۔'' احد اس کے دوپٹے کے ٹکڑے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''اور اگر وہ نہ سمجھ سکی تو؟'' فاروق نے لیٹے لیٹے اس کی طرف دیکھا۔

''تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری لگن ادھوری تھی، میرا عشق سچا نہ تھا۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''احد صدیقی نے آج تک کسی انسان سے محبت نہیں کی۔ اسے اگر اس لامتناہی

جذبے کا کسی نے ادراک دیا ہے تو وہ وہی ہے۔ بس اس سے ایسی محبت کرنی ہے کہ اس کے احسان کا بدلہ پورا ہو سکے۔''

''احسان؟..... کیسا احسان؟'' فاروق حیران ہوا۔

''اس نے محبت کرنا جو سکھائی ہے، اس کا یہی احسان۔'' احد نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

''تُو پاگل ہو گیا ہے عشق میں۔ عجب فلسفہ ہے تمہارا۔'' فاروق نے چادر اُٹھا کے اپنے اوپر ڈالی اور کروٹ بدل لی۔

''جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی''

احد ہلکے سُروں میں گنگنا رہا تھا۔

❖❖○❖❖

اور اسی رات، ایک بار پھر حرمین کے خوابوں پہ احد صدیقی نے دستک دی۔ اس نے ایک بہت عجیب خواب دیکھا۔ احد کسی آئینے کے سامنے کھڑا شیو بنا رہا ہے۔ سفید رنگ کے شیونگ کریم سے اس کا چہرہ آدھا چھپا ہوا ہے۔ ریزر سے کریم ہٹاتے ہوئے اسے ایک چھوٹا سا کٹ لگتا ہے اور سفید کریم کی موٹی تہہ کے پیچھے سرخ گاڑھے خون کا دھبہ نظر آتا ہے۔ وہ کٹ دیکھ کر حرمین کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اسی طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ پھر اس نے خواب کو نظر انداز کر کے دوبارہ سونے کی کوشش کی۔

اور پھر کچھ ہی دنوں بعد، اینوئل فنکشن کا دن آ پہنچا۔ سبھی اسٹوڈنٹس خصوصی لباس زیب تن کر کے آئے تھے۔ حرمین نے بھی سبز رنگ کا، خوب صورت سوٹ پہنا تھا، جس پر سلور کلر کا کام تھا۔ چہرے پر نفیس میک اپ کئے، بال کھولے وہ ہمیشہ سے بہت الگ، بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اعتماد سے ثناء کے ہم قدم چلتی ہوئی آڈیٹوریم تک آئی۔ دروازے کے باہر ہی اسے اور لڑکوں کے ہمراہ زرش اور احد نظر آ گئے۔ حرمین کو آتا دیکھ کر احد اسی کی طرف آیا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام۔ الحمدللہ، بالکل ٹھیک ٹھاک۔'' وہ مسکرائی۔

''بس پروگرام شروع ہونے ہی والا ہے۔ آپ کی سیٹس ہمارے گروپ کے ساتھ تیسری رو میں ہیں۔ آپ لوگ اپنی نشستیں سنبھال لیں۔'' گرے کلر کے ٹوپیس کے اندر بلیک شرٹ اور نیکی نیک ٹائی تھی۔ تازہ شیمپو کئے بال تھے۔ آفٹر شیو کی مہک حرمین کو

واضح محسوس ہوئی اور حرمین نے اس کے چہرے کو دیکھا اور چونک گئی۔ اس کی ٹھوڑی کے دائیں جانب ہلکا سرخ نشان تھا۔ بالکل اسی جگہ، جہاں حرمین نے خواب میں اسے کٹ لگتے دیکھا تھا۔

''یہ زخم کیسا ہے آپ کے چہرے پہ؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔ احد کا ہاتھ چہرے کے زخم تک گیا۔

''ارے کوئی خاص بات نہیں۔ شیو کرتے ہوئے ذرا سا کٹ لگ گیا تھا۔'' احد مسکرایا۔ حرمین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

کیا تھا یہ؟.....خواب تھا یا حقیقت؟.....کیسا ناتا سا جڑ گیا تھا اس کے خوابوں کا، احد کی حقیقت سے۔

''ارے، آپ تو گھبرا گئیں۔ معمولی سا کٹ ہے، جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ حرمین کے چہرے پہ پریشانی کے تاثر دیکھ کے بولا۔ حرمین نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی اور اندر ہال کی طرف بڑھ گئی۔

ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے، کچھ روایتی قسم کے ڈانسز ہوئے جو کہ ہر اینوئل فنکشن میں ہوتے ہیں۔ ابرار الحق کے پنجابی گانوں کے ری میک پہ بھی نے بہت انجوائے کیا۔ لڑکیاں ہاتھ لہرا لہرا کے گانے والے کو خراج تحسین پیش کر رہی تھیں اور لڑکے کرسیوں کے اوپر بھنگڑا ڈال کے۔ احد صدیقی بھی انہی لڑکوں میں سے ایک تھا۔ وہ بھی اپنی کرسی پہ کھڑا، گلے میں اجرک ڈالے فاروق، سلمان اور کچھ اور لڑکوں کے ساتھ ڈانس کر رہا تھا۔ حرمین اور ثناء بھی بہت انجوائے کر رہی تھیں۔

آئٹم کے اختتام پر پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اور پھر زرش، اناؤنس منٹ کے فرائض انجام دینے کے لئے اسٹیج تک آئی۔

''دوستو! اس سال بھی حسب روایت ہماری یونیورسٹی کے کچھ ہونہار اور ٹیلنٹڈ اسٹوڈنٹس نے ایک پلے لکھا ہے۔ یقیناً یہ پلے آپ کے دلوں میں بھی اُتر جائے گا۔ اس پلے میں جذبات کی مدھم پڑتی اور بھڑکتی لو بھی ہے اور لفظوں کا عمدہ چناؤ بھی۔ دل کے بدلتے اور پھلتے پھولتے احساسات کی کہانی ہے، جو کہ مسیحا کی زبانی ہے۔ حرمین خان اور احد صدیقی کی خوب صورت قلم کے نوک سے نکلا ''مسیحا''

زرش کی اناؤنس منٹ کے ساتھ اسٹیج کی لائٹس لمحہ بھر کے لئے بند ہو گئیں اور ہال میں تالیوں کی گونج ہوئی۔ احد اور حرمین ایک دوسرے کی طرف دیکھ کے مسکرائے۔ پھر کچھ دیر

بعد اسٹیج کی لائٹ جلی اور پردہ ہٹا۔ سامنے ان کے دو فیلوز ثانیہ اور امان کے کردار میں کھڑے تھے۔

ڈرامہ جیسے جیسے آگے بڑھتا رہا، ناظرین کی دلچسپی بھی مزید گہری ہوتی گئی۔ بہترین انداز میں دونوں کردار ڈائیلاگز ادا کر رہے تھے۔ حرمین بھی کھو سی گئی تھی۔

''تم کس طرح انکار کر سکتی ہو ثانیہ! محبت کے وجود سے، کہ محبت ہی تو وہ دیوی ہے، جو پتھر سے انسان میں روح پھونکتی ہے اور احساسات کو آگہی دیتی ہے۔ تم اس عظیم جذبے سے انکار مت کرو ثانیہ! مت کرو۔'' امان کے کردار نے بخوبی اپنا ڈائیلاگ بولا۔

''مجھے تم سے محبت نہیں ہے امان!'' ثانیہ نے جذباتی ہو کے کہا۔

''پوچھ سکتا ہوں، کیوں؟''

''کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔'' وہ خود تذبذب میں تھی۔

''تو یہ کہو ناں کہ صحیح نہیں ہے، یہ کیوں کہتی ہو کہ محبت نہیں ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولا۔

''تم نہیں جانتے امان! کہ مجھے ساتھ لے کے چلنا کس قدر مشکل ہے۔''

''میں تمہارے لئے ہر مشکل سہنے کے لئے تیار ہوں۔'' امان بولا۔

''درد کو ناپنا یا درد دینا بہت آسان ہے امان! لیکن مسیحا بننا بہت مشکل۔''

''مجھے مسیحائی کا ہنر آتا ہے ثانیہ!'' وہ پُر اعتماد تھا۔

''بن سکو گے میرے مسیحا؟'' سوال بدستور تھا۔ امان اس کے قریب آیا۔

''ہاں.....میں تمہارے ہر در پہ اپنی محبت کا مرہم رکھوں گا۔ تم دیکھو گی کہ محبت کس طرح صبح و شام کو پُر نور بنا دیتی ہے۔ کس طرح اندھیروں کو روشنی عطا کرتی ہے۔ کس طرح مردوں کو زندگی دیتی ہے.....تم دیکھو گی ثانیہ! کہ محبت کیسے کیسے معجزے دکھاتی ہے۔ احساسات کو کس طرح جاوداں کرتی ہے۔ فانی زندگی کا ہاتھ تھام کر کس طرح اسے بقاء کے رستوں پہ لے کے جاتی ہے۔ میں تمہیں دکھاؤں گا اپنی آنکھوں سے کہ عیسیٰ نفسی کیا ہوتی ہے، مسیحائی کیا ہوتی ہے۔''

بیک گراؤنڈ میں احد کے بجاتے ہوئے وائلن کا ریکارڈ چلتا ہے۔ امان، ثانیہ کو دونوں بازوؤں سے تھام لیتا ہے۔

ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا۔

حرمین، احد کی طرف دیکھتی ہے۔ وہ اسی کی جانب دیکھ رہا ہوتا ہے، اس کی آنکھوں

میں جذبات کا اِک بھڑکتا الاؤ روشن ہوتا ہے، جس کی تپش حرمین کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ وہ گھبرا کے نظر چرا لیتی ہے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ دیکھتی ہے، وہی شدت اور وہی الاؤ۔

اِک شدت پسند اور محبت کرنے والے لڑکے کی آنکھوں میں اقرار روشن ہوتا ہے۔ کچھ لمحے قبل جو کرسی پہ چڑھ کے، ایک ٹانگ پہ بھنگڑا ڈال رہا تھا، قہقہے اور مستیاں جس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھیں، یہ وہ تو نہ تھا۔ یہ تو کوئی اور تھا۔ پتھر سے نہر کھودنے والا کوئی فرہاد یا پھر تخت ہزارے کا کوئی رانجھا، اپنا تخت و تاج چھوڑ کے بھینسیں چرانے والا کوئی مہینوال، یا پھر سسی کی خاطر دھوبی گھاٹ پہ کپڑے دھونے والا پنوں! سراپا محبت آنکھیں اور آنکھوں میں دھڑکتے دل کے سائے۔

وہ اندر تک لرز ہی تو گئی تھی۔ عشق کے شعلے، عاشق کی آنکھوں سے پھوٹ رہے تھے اور لپک لپک کے اس کے تن من کو سلگا رہے تھے۔

میں کس کس کو سمجھاؤں
کہ میں جذبہ ہوں ضدی سا
میں ہٹ دھرمی کا سایہ ہوں
میں بے باکی کا جھونکا ہوں
میں نیندیں چھین لیتا ہوں
میں آہیں سونپ دیتا ہوں
میں آنسو دان کرتا ہوں
میں تنہائی کا تکیہ ہوں
میں بربادی کی چادر ہوں
مجھے تم خود ہی پہچانو!
محبت ہوں، محبت ہوں!

❖❖○❖❖

چھٹیاں ہونے والی تھیں۔ عموماً چھٹیوں میں ہر کوئی اپنے اپنے گھر، گاؤں یا شہر چلا جاتا تھا اور دو ڈھائی مہینے کی جدائی دوستوں اور کلاس فیلوز کی یاد شدت سے دلاتی تھی۔ لہٰذا اس بار ایم۔اے کے کچھ ڈیپارٹمنٹس نے مشترکہ پکنک کا فیصلہ کیا، المنظر کے کنارے پر۔ پکنک ارینج کرنے والے گروپ میں احد بھی شامل تھا۔ اُسی کے آئیڈیا پہ کاغذ پرنٹ کروائے گئے، جن میں لکھا تھا کہ جو کوئی پکنک میں جانا چاہتا ہے، وہ اپنا نام لکھوا دے اور سو روپے کھانے

کے لئے جمع کروا دے۔

دو دن بعد پکنک تھی اور اسٹوڈنٹس کافی جوش دکھا رہے تھے۔ ناموں کی لسٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر وہ ایک نام جس کا احد کو انتظار تھا، وہ غائب تھا۔ آخری دن احد کے سامنے سے ثناء گزری۔

''ثناء! ذرا بات سننا۔'' احد نے آواز دے کر اسے روک دیا۔

''جی، کہیے۔'' وہ مسکرائی۔ اُسے حرمین کی طرح احد سے کوئی اللہ واسطے کا بیر نہ تھا۔

''کیا تم پکنک پہ نہیں جا رہیں؟''

''جا رہی ہوں۔ میں نے تو اپنا نام لکھوا دیا تھا، زرش کے رجسٹر میں۔ آپ کو نہیں پتہ؟'' وہ حیران ہوئی۔

''لیکن تمہاری دوست کا نام تو نہیں۔ نہ اُس رجسٹر میں اور نہ میرے پاس۔'' احد نے تشویش ظاہر کی۔

''کس کا؟ حرمین کا؟ لیکن وہ تو نہیں جا رہی۔'' ثناء نے کہا۔

''لیکن کیوں؟''

''بقول اُس کے، اس طرح کی پکنک وقت کا زیاں ہوتی ہیں۔'' ثناء نے سادگی سے کہا۔ احد بھی خاموش ہو گیا۔

''آپ چاہتے ہیں کہ وہ جائے؟'' ثناء کی مسکراہٹ میں شرارت اُتر آئی۔ احد بھی مسکرایا اور گردن اثبات میں ہلائی۔

''تو پھر اُس کا نام لکھ لیں۔ میں اُسے لے آؤں گی۔'' ثناء نے یقین سے کہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ آ جائے گی؟ بڑی ضدی چیز ہے۔'' احد نے کہا۔

''دو سال اُس کے ساتھ گزارے ہیں۔ اُس کی کمزوریاں معلوم ہیں۔ آپ اُس کا نام لکھ لیں۔'' اعتماد سے کہتی ہوئی ثناء آگے بڑھ گئی۔ احد مسکراتا رہ گیا۔

''اور ہاں، سنیے!'' ثناء مُڑی۔ ''نام فاؤنٹین پین سے لکھئے گا، یا بال پوائنٹ سے۔ دل کے قلم سے نہیں۔'' ثناء نے آنکھ مار کے کہا۔ احد کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

اور پھر اُسی رات ہاسٹل کے کمرے میں ثناء کی شامت آئی تھی۔

''کہہ دیا ناں، مجھے نہیں جانا کسی پکنک شکنک پر۔ ایک بات سمجھ نہیں آتی تمہیں؟''

حرمین اُچھل ہی تو پڑی تھی۔

''لیکن میں تمہارا نام لکھوا آئی ہوں اور تمہارے حصے کی اماؤنٹ بھی دے آئی ہوں۔''

ثناء ڈھیٹ پن سے بولی۔

''کس نے کہا تھا ایسا کرنے کو؟ ہم لوگ یہاں پڑھنے آئے ہیں، کوئی فضول کام کرنے نہیں۔''

''پکنک پہ جانا فضول کام نہیں ہے۔ اور اگر فضول کام ہے تو پھر پچھلے سال کیوں گئی تھیں ہاکس بے؟ یہاں المنظر تک ہی تو جانا ہے۔'' ثناء نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچایا۔

''پچھلی بار میڈم زارا کے کہنے پر چلی گئی تھی۔'' وہ ذرا دھیمی ہوئی۔

''اُن کے لئے جاسکتی ہو، میرے لئے نہیں جاسکتیں؟ بیسٹ فرینڈ کہتی ہو، سمجھتی نہیں ہو۔'' ثناء بسوری۔

''ثناء!'' حرمین شرمندہ ہوئی۔

''ٹھیک ہے، مت جانا۔ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ یوں بھی تم اگر میرے بغیر رہ سکتی ہو، تو میں بھی کوشش کروں گی۔'' ثناء بستر پہ لیٹ گئی اور منہ پہ چادر اوڑھ لی۔

''ثناء! ناراض تو مت ہو..... اچھا، اچھا ٹھیک ہے۔ میں چلوں گی۔ لیکن صرف تمہاری خاطر۔'' وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''رہنے دو، خود پہ ظلم مت کرو۔'' ثناء اداکاری کر رہی تھی۔

''ثناء! پلیز مان جاؤ ناں۔ کل ہم دونوں بہت انجوائے کریں گے المنظر پہ۔ میں اپنا کیمرہ بھی ساتھ لے چلوں گی۔ ہم بہت ساری سنیپس کھینچیں گے۔'' حرمین اُسے منانے لگی۔ ثناء کا پلان کامیاب ہوگیا تھا۔

❖❖○❖❖

بہت ہی عجیب خواب سے اُس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ احد کسی ٹھہرے ہوئے پانی میں گر جاتا ہے اور بہت زور سے اُس کا نام لے پکارتا ہے۔ اس نام کی گونج نے اُس کی نیند اُڑا دی تھی۔ وہ بہت گھبرا گئی تھی۔ خصوصی طور پر ان پچھلی دو خوابوں کی تعبیر کے بعد۔

'میں احد صدیقی ہی کو خواب میں کیوں دیکھتی ہوں؟ وہ کیا ہے، جو بار بار اُس کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے؟ وہ کون سا جذبہ ہے، جو بھڑکتی آگ کے شعلوں کی طرح اُس کی آنکھوں سے لپکتا محسوس ہوتا ہے؟..... کون ہے وہ؟ اور کیا رشتہ ہے میرا اُس سے؟'' وہ بستر پہ لیٹے لیٹے خود سے سوال کرتی رہی۔ یہاں تک کہ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی

ہاسٹل کے کمرے کی کھڑکی کے ٹوٹے شیشے سے اندر آنے لگی اور وہ اُٹھ بیٹھی۔

ثناء کو منانے کی خاطر وہ پکنک پہ جانے کے لئے راضی ہوگئی تھی۔

وہ دونوں جب پوائنٹ تک پہنچیں تو تقریباً سبھی لڑکے، لڑکیاں بیٹھ چکے تھے۔ کچھ پچھلی نشستیں ہی خالی تھیں۔ لڑکے زیادہ تر چھت پہ بیٹھے تھے اور شور مچائے جا رہے تھے۔ حرمین کو مسلسل ثناء پہ غصہ آ رہا تھا۔

''کہاں بیٹھو گی؟..... دو منٹ پہلے اگر اپنی تیاری مکمل کر لیتیں تو یہ خواری تو نہ دیکھنا پڑتی۔''

''مل جائے گی کوئی سیٹ۔ صبر تو کرو۔'' ثناء یہاں وہاں دیکھ رہی تھی۔

''ارے حرمین! ثناء!'' انہیں پیچھے سے زرش نے آواز دی۔ ''تم دونوں کی سیٹس تو یہ آگے ہیں۔'' زرش نے دو خالی سیٹس کی طرف اشارہ کیا۔

''آگے؟..... لیکن ان پہ تو Booked لکھا ہے۔'' حرمین نے کہا۔

''احد نے یہ تمہیں دونوں کے لئے بک کی ہیں۔ آجاؤ، یہاں بیٹھو۔'' زرش نے کہا اور ثناء اُسے کھینچتی ہوئی سیٹ تک لانے لگی۔

''کوئی ضرورت نہیں اس سیٹ پہ بیٹھنے کی۔ ہم پیچھے کہیں بیٹھ جائیں گے۔'' اُس نے ثناء کے کان میں سرگوشی کی جو ثناء نے اَن سنی کر دی اور دھڑام سے کھڑکی کی طرف بیٹھ گئی۔ مجبوراً حرمین کو بھی بیٹھنا پڑا۔

''خوامخواہ کسی کا احسان لینے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

بس مکمل طور پہ بھر گئی، تب احد اوپر چڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں گٹار تھا اور چہرے پہ بھرپور مسکراہٹ۔ اسکائی کلر کی ٹی شرٹ تھی، جس پہ سفید رنگ کے اسٹرپس تھے۔ وہ زرش اور سعادت کے ہمراہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پہ بیٹھ گیا، لیکن چہرہ پیچھے کی طرف تھا۔ احد نے نظر بھر کے حرمین کی طرف دیکھا۔ حرمین نے اپنی نظریں چرا لیں۔ کچھ ہی دیر بعد لڑکیوں کی رو میں شور مچ گیا۔

''کوئی گانا سناؤ احد!'' کچھ لڑکیاں ہم آواز تھیں۔

''ارے واہ! صرف میں سناؤں؟ اتنے سارے لوگ ہیں، کوئی تو ہم آواز ہو۔'' احد مسکرایا۔

''ارے تم اپنی گٹار تو بجاؤ۔ آوازیں خود ہی ساتھ دیں گی۔'' زرش نے کہا۔

''تو موصوف کو گٹار بجانا بھی آتا ہے۔'' اُس نے ثناء سے سرگوشی کی۔

''جیک آف آل ٹریڈز ہے۔'' ثناء فخر سے بولی۔

''اینڈ ماسٹر آف نن۔'' وہ منہ بنا کے بولی۔

احد نے گٹار کا بیلٹ اپنے گلے میں ڈالا اور ایک مدھم سی بیٹ بجانی شروع کی۔ گٹار کے تاروں سے بہت سُریلی دُھن نکلنے لگی۔ گانا پرانا تھا، لیکن احد نئے انداز میں، دُھن کو تیز کر کے گا رہا تھا۔

سبھی لڑکیاں تالیاں بجا رہی تھیں اور اُس کے ہم آواز گانے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر وہ خاموشی سے اپنا دھیان یہاں وہاں لگا رہی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ احد اُسی کے لئے گا رہا ہے۔ اور گیت کے ساتھ اُس کی آنکھوں سے بھی بے پناہ جذبات چھلک رہے ہیں۔ مگر وہ اُسے مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔

بہت ہی کم وقت میں المنظر کا وہ کنارہ آ گیا، جہاں پہ پکنک کی تیاری کچھ اسٹوڈنٹس نے پہلے کر رکھی تھی۔ یہ پوائنٹ عام پوائنٹس سے کافی فاصلے پر تھا۔ پانی کا بہاؤ کافی تھا۔ ہوا پانی میں لہریں بنا رہی تھی۔ کنارے کے پتھروں کے اوپر میدان پہ گھاس تھی، جہاں جگہ جگہ لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے گروپ کے لئے چادریں بچھا رہے تھے۔ وہ زرش، ثناء اور کچھ لڑکیوں کے ہمراہ بیٹھ گئی۔

ایک کشتی ارینج کی گئی تھی، جس پہ باری باری سبھی کو سیر کروائی جا رہی تھی۔ زرش اور ثناء بھی کشتی میں سوار ہو گئیں۔ وہ اکیلی بیٹھی اُن کو جاتے دیکھ رہی تھی۔

آج کوئی شدت سے یاد آ رہا تھا۔ کسی کی کمی بے انتہا فیل ہو رہی تھی۔ کوئی، جو دُور دیس، سمندروں کے فاصلوں پہ بیٹھا تھا۔ جو نہ دل کی دھڑکن سن سکتا تھا اور نہ آنکھ کے آنسو دیکھ سکتا تھا۔

کیوں چھوٹی سی زندگی میں فاصلے آ جاتے ہیں؟ رزق کی بھاگ دوڑ کیوں ضروری بن جاتی ہے کسی کے لئے؟ کیوں محبت کا مقدر تنہائی بن جاتی ہے؟

''آپ کی ایک تصویر لے سکتا ہوں؟'' گلے میں کیمرہ ڈالے وہ احد تھا۔

''میرے علاوہ اور بھی تو بہت سے لوگ ہیں یہاں۔ ان کی تصویر کیوں نہیں لیتے؟'' وہ بولی۔ احد مسکرا کے اُس کے پاس آیا۔

''میں تو سبھی کی تصویریں لے رہا ہوں۔ ریکارڈ رکھوں گا اور سبھی کو ایک ایک کاپی بھی دوں گا۔'' وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ خاموش یہاں، وہاں دیکھ رہی تھی۔

''آپ بوٹنگ کرنے نہیں گئیں؟'' احد اُس کی سنہری رنگت کو دیکھ رہا تھا، جو سوچ کی

شعاعوں سے سرخ ہو رہی تھی۔ گہری براؤن آنکھوں میں اِک کتھئی چمک تھی۔

''مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں ان میں۔'' وہ لئے دیئے انداز میں بولی۔

''ایک بات کہوں حرمین! یہ تمام چیزیں اس عمر اور اس پیریڈ کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس عمر میں بہت اچھی بھی لگتی ہیں۔ اگر آپ اسی طرح ان سے آنکھ چرائیں گی تو عمر کے کسی حصے میں آپ کو پچھتاوا ضرور ہو گا کہ آپ نے یہ سب مس کیوں کیا؟ بالکل ایسے ہی، جیسے ہم میں سے بہت سے لوگ اپنا بچپن انجوائے نہیں کرتے اور بڑے ہو جاتے ہیں۔ نہ کھیلنے کی وہ کسک کبھی بھی ان کے اندر سے مٹ نہیں پاتی۔'' حرمین نے سمجھایا۔

''مگر مجھے یہ سب، کچھ اچھا نہیں لگتا۔'' وہ بولی۔ اُس کے لہجے میں ایک اَن دیکھی اُداسی تھی۔

''حُسن، رنگ، گیت، قدرت، نظارے کس کو اچھے نہیں لگتے؟..... قدرت کے حُسن کو محسوس کرنا، رنگوں سے لطف لینا، نظاروں میں کھو جانا، گیتوں کو اپنی سماعت میں اُتارنا، کوئی کیوں سب سے منہ موڑے گا؟'' وہ اپنے خیال پہ بدستور اڑا تھا۔

''میں نے کسی سے منہ نہیں موڑا۔'' وہ احد کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''تو پھر آپ اُداس کیوں ہیں؟..... اس قدر کھوئی کھوئی اور تنہا؟''

''نہ میں اُداس ہوں اور نہ کھوئی کھوئی۔'' مختصر سا جواب آیا۔

''ایک بات پوچھوں حرمین! آپ برا تو نہیں منائیں گی؟'' احد نے کہا۔

''پوچھیں۔'' اُس نے اُڑتے بالوں کی لٹیں کانوں میں پھنسائیں۔

''جب سے ہم ملے ہیں، میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ مجھ سے خفا رہتی ہیں، کتراتی ہیں، مجھے پسند نہیں کرتیں۔ مقابلے کا میدان الگ، لیکن عام زندگی میں بھی ایسا ہے۔ یوں تو آپ کسی بھی لڑکے سے بات نہیں کرتیں، لیکن خصوصاً مجھے اگنور کرتی ہیں۔ میں پوچھ سکتا ہوں، ایسا کیوں ہے؟'' احد نے آج بہت عرصے سے دل میں چھپائی بات کہہ دی۔

''ایسا آپ کو لگتا ہے۔ اصل میں ایسا کچھ نہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''میں نے ہمیشہ آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا..... کون کون سی کوشش کی ہے آپ نے؟ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔''

''ڈیڑھ سال کے عرصے میں بہت سی ایسی باتیں ہوں گی۔ جیسے کہ میں کوئز پروگرام کے فائنل میں جان بوجھ کے آپ سے ہارا تھا۔ مجھے آخری دو سوالوں کے جواب آتے تھے مگر میں نے غلط جواب دیئے۔ اور تقریری مقابلے میں اپنا نام آپ کے بعد رکھوایا، تاکہ

آپ کی تقریر سن کے پھر میں اس سے ذرا کم یعنی سیکنڈ نمبر کے لئے کروں۔ ہر جگہ آپ اوّل آئیں اور میں آپ کے پیچھے رہا۔'' احد بہت اطمینان سے بتاتا رہا اور وہ حیرت سے مسکراتی رہی۔

''اچھا.....لیکن آپ ایسا کیوں کرتے تھے؟ ہارنا اچھا لگتا ہے کیا؟''

''نہیں، مجھے آپ کا جیتنا اچھا لگتا ہے۔'' وہ بے اختیار ہی بولا۔ وہ اُس کے جملے پہ کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ نجانے اُس کے کہے عام سے جملے میں اتنی گہرائی کیوں تھی۔

''بہت اگنور کرلیا آپ نے۔ اب دوستی کرلیں ناں۔'' اُس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ آگے کیا۔ وہ مسکرادی۔

''دشمنی تو میری آپ سے کبھی بھی نہ تھی۔ نجانے آپ کو ایسا کیوں محسوس ہوا۔'' اُس نے لاپرواانداز میں کہا۔

''تو پھر دوستی سے بڑھے اس ہاتھ کو یوں نظرانداز تو مت کریں ناں۔'' حرمین نے مسکرا کے اُس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

محبت کے پہلے لمس نے جادو سا جگا دیا احد صدیقی کے روم روم میں۔ معطر کر دیا اُس کی نس نس کو، مہکا دیا اُس کی ہر ہر سانس کو۔

''بونگ کرنی ہے دوست؟'' اُس نے پیشکش کی۔

حرمین نے مسکرا کر ہامی بھری۔

اور کچھ ہی دیر میں وہ اُس کے ہمراہ لکڑی کی چھوٹی سی کشتی پہ سوار تھی۔ ثناء بھی ایک اور رائیڈ لینے کے لئے اُن کے ساتھ ہو لی۔ زرش نے احد کے کیمرے سے اُن کی تصاویر کھینچیں۔ احد کے گلے میں گٹار تھا اور ثناء کے پاس چپس کے پیکٹ۔

شام ہونے کو تھی اور خنکی کا احساس بھی تھا۔ احد نے جینز کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ حرمین کو بھی سردی کا احساس ہوا۔ اُس نے اپنے دونوں بازو سکیڑ لئے۔ احد نے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے چھوٹے سے بیگ میں سے سیاہ رنگ کی شال نکال کے اُس کی طرف بڑھائی۔ حرمین نے بنا کسی تردّد کے لے لی اور اوڑھ لی۔ نرم سی گرمی کا احساس اُس کے رگ و پے میں دوڑ گیا۔

ہلکے پانی کی چھوٹی چھوٹی لہروں پہ کشتی چل رہی تھی۔ کشتی والا ہاتھ میں لکڑی کے چپو تھامے چلا رہا تھا۔ سورج بہت نیچے دریا میں ڈوبنے کو آرہا تھا اور احد نے اپنے گٹار کے تار چھیڑنے شروع کئے۔

''کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے
تُو اب سے پہلے ستاروں میں بس رہی تھی کہیں
تجھے زمیں پہ بلایا گیا ہے میرے لئے!''

قدرت کا یہ بے پناہ حُسن، اُفق کے کنارے ڈوبتا ہوا سورج، احد کے گٹار سے نکلتی ہوئی خوب صورت دُھن اور کائنات کی ہر شے پہ چھاتی اُس کی جادوئی آواز.....حرمین واقعی مبہوت ہو رہی تھی، کھو رہی تھی اس حُسن میں۔ وہ آنکھیں موندے کالی چادر میں لپٹی سنگ مرمر کی کوئی مورت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دل نہ کھوتا تو اور کیا ہوتا۔

کشتی واپس کنارے پہ پہنچی تو وہاں پہ آگ جلائی ہوئی تھی سبھی نے، اور کھانے پینے کا دور تھا۔ وہ لوگ بھی ان میں شامل ہو گئے۔

اس طرح یہ شام بہت ہی خوب صورت یادیں اپنے اندر سمیٹے ڈھل گئی۔

❖❖○❖❖

چھٹیاں ہو گئی تھیں۔ سبھی لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ حرمین بھی کوہاٹ چلی گئی تھی۔ احد کا گھر حیدر آباد میں ہی تھا، لہٰذا اُسے کوئی خاص جلدی نہیں تھی جانے کی۔ آج وہ یونہی بنا کسی وجہ کے یونیورسٹی آ گیا تھا۔ دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ حرمین کی یاد، اُس کی باتیں بہت بے چین کر رہی تھیں۔ یونیورسٹی کی سفید پھولوں والی سڑک پہ بھاری بھاری قدموں سے چلتا، کوئی گیت گنگناتا وہ یونہی بے خیالی میں جا رہا تھا۔ ارادہ تھا کہ ٹہل کے باہر ڈھابے سے چائے پیئے گا۔ اُس پری پیکر کو یاد کرے گا۔ اور شام کو حیدر آباد کے لئے نکل پڑے گا۔

وہ یونہی چلتا چلا جا رہا تھا۔ جس طرح ہوا کے دوش پہ پتے اُڑتے ہیں۔

''احد بھائی!'' اُسے کسی نے آواز دی۔ وہ ثناء تھی۔

''ارے ثناء! تم گھر نہیں گئیں؟'' وہ مسکرا کے اُس کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔

''کل چلی جاؤں گی۔ کچھ کام تھا یہاں یونیورسٹی میں۔ اور گھر والوں کے لئے کچھ شاپنگ بھی کرنی تھی۔ اس لئے کچھ دن رُک گئی۔ آپ بھی گھر نہیں گئے؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہمارا جیسا ہاسٹل ہے، ویسا ہی وہ گھر، جسے عموماً گھر کہتے ہیں۔'' اُس نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا مسئلہ ہے احد بھائی؟''

''مطلب یہ میری چھوٹی سی بہن! کہ گھر تو گھر والوں سے ہوتا ہے، چاہنے والوں سے ہوتا ہے۔ اور گھر والوں کے نام پر اس گھر میں میرا صرف ایک بھائی اور بھابی ہے۔ اور ان دونوں کو بھی میری ضرورت ہے اور نہ پروا۔ اس لئے میں جاؤں نہ جاؤں، کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔'' احد نے اُسے سمجھایا۔

''اوہ!.....اور آپ کے امی ابو؟'' ثناء نے معصومیت سے پوچھا۔

''وہ دونوں اوپر آسمانوں پر بیٹھے مجھے دُعائیں دیتے ہیں۔'' احد نے مسکرا کے اوپر آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔

''میں چائے پینے اور کچھ کھانے جا رہا تھا۔ چلو گی؟'' اُس کی پیشکش پہ ثناء نے مسکرا کر حامی بھری۔

''ایسا کیوں ہوتا ہے احد بھائی! جو لوگ اتنی محبت کرتے ہیں دوسروں سے، اُن کی اپنی زندگی میں محبت کی اتنی کمی ہوتی ہے، اتنے خالی ہوتے ہیں وہ لوگ۔'' ثناء نے چلتے چلتے کہا۔

''یہ تو دستور ہے دنیا کا۔ جن کے پاس ڈھیروں ڈھیر محبتیں ہوتی ہیں، وہ انہیں تقسیم نہیں کرتے۔ بہت خود غرض بن جاتے ہیں۔ اور جو خالی داماں ہوتے ہیں، وہی محبتیں بانٹتے ہیں اس انتظار میں کہ شاید اُن کی محبت کے بدلے کوئی محبت دے سکے اُنہیں۔'' احد نے وضاحت سے کہا۔

''آپ کتنی اچھی باتیں کرتے ہیں احد بھائی!'' ثناء نے مسکرا کے کہا۔ دونوں کیفے میں آمنے سامنے کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔

''اچھا؟.....تمہاری دوست تو ہر وقت مجھے نظر انداز کرتی ہے۔ میری باتیں سننے کو تیار ہی نہیں ہوتی۔ اور تم کہتی ہو کہ میں اچھی باتیں کرتا ہوں۔'' احد نے جتایا۔

''وہ تو پاگل ہے۔ اُسے تو احساس ہی نہیں آپ کے جذبات کا۔ وہ جانتی ہی نہیں کہ آپ اُس سے۔'' ثناء کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

''کیا تم جانتی ہو ثناء؟'' احد اُس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔

''جی، میں جانتی ہوں کہ آپ اُس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ میں نے اکثر یہ محسوس کیا ہے۔ لیکن آپ اُسے بتاتے کیوں نہیں؟'' ثناء نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم جان سکتی ہو۔ وہ نہیں جان سکتی۔ تم محسوس کر سکتی ہو۔ وہ نہیں محسوس کر سکتی۔'' احد چائے کی پیالی کی طرف دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''پتھر کی بنی ہے وہ۔ بہت سخت، بہت ضدی ہے۔'' ثناء نے کہا۔

''محبت اگر قطرہ قطرہ بھی برستی رہے تو پتھروں میں بھی سوراخ ہو جاتے ہیں۔ محبت تو سخت سے سخت پیڑوں میں بھی نرم و ملائم بیلیں پیدا کر دیتی ہے۔ وہ بیلیں جو جنگلوں میں اپنا راستہ بناتی ہیں۔'' احد کی آنکھوں میں محبت کی شدت اُتر آئی تھی۔

''اگر آپ اتنے ہی پُر اعتماد ہیں تو اُسے بتا دیں۔ کب تک چھپائیں گے؟ ہر گزرتے دن کے ساتھ آپ کی محبت اتنی ہی شدید ہوتی جائے گی اور اُس کی بے رُخی بھی۔ مواقع انسان خود تلاش کرتا ہے، قدرت صرف مدد کرتی ہے۔'' ثناء نہایت اپنائیت سے بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو ثناء! وہ جیسے ہی واپس آئے گی، میں اُسے بتا دوں گا۔'' احد نے ارادہ ظاہر کیا۔

''وہ تو شاید دو ڈھائی ماہ بعد واپس آئے۔ میں آپ کو اُس کا کوہاٹ کا ایڈریس اور نمبر دیتی ہوں۔ اُسے خط لکھیں، فون کریں، جو بھی کریں، مگر اُسے بتا دیں۔ دل کی دل میں رکھنا، دل کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے۔'' ثناء نے اپنے پرس سے کاغذ اور قلم نکالا اور اُس دشمن جاں کا ایڈریس لکھ دیا۔

''یہ لیجئے۔ دیکھئے گا، وہ ہے بڑی ٹھوس چیز۔ بہت ضدی اور بہت ہٹ دھرم۔'' ثناء نے مسکرا کے چٹ اُسے تھمائی۔

''اور میری بہت بہت نرم، بہت اُجلی، بہت میٹھی بہن! گھبراؤ نہیں۔ وہ کہیں جا نہیں سکے گی۔'' احد پُر اعتماد تھا۔ ثناء نے اُس کے دل کی گھبراہٹ اور اُداسی دُور کر دی تھی۔ وہ کاغذ جیب میں رکھ کے کھل کے مسکرایا اور چائے کا آخری سپ لیا۔

❖❖○❖❖

بس سے اُتر کر اُس نے اِک ٹھنڈی آہ بھری اور بھرپور انگڑائی کے ساتھ سانس لی۔ یہ کوہاٹ شہر کی فضا تھی، جہاں پہ وہ اپنی زندگی کے سب سے اہم مشن پہ آیا تھا۔ بہت اُمید اور بہت خواب لے کر۔ ثناء کی باتوں نے اُس کی محبت کے اندر اِک نئی رُوح پھونکی تھی۔ وہ بہت پُرعزم اور پُر اُمید بن کے آیا تھا۔ اُس نے مرحلہ در مرحلہ اپنا لائحہ عمل تیار کر لیا تھا۔ اب اُسے اس پہ عمل کرنا تھا۔ ایک پرائیویٹ ریسٹ ہاؤس میں رہائش کے لئے اُسے کمرہ مل گیا۔ اُس نے بیڈ پہ لیٹ کر سب سے پہلا فون حرمین کو کیا۔ مگر فون مسلسل مصروف تھا۔

دوسری طرف حرمین، شاہ میر سے بات کر رہی تھی۔

شاہ میر..... جو اُس کے دل کی دھڑکن تھا۔ اُس کا خواب، اُس کی محبت، اُس کا

انتظار تھا۔ شاہ میر، جو اُس کا شوہر تھا۔

''حد ہوتی ہے انتظار کی شاہ میر!..... پانچ سال ہو گئے، آپ لوٹ کے نہیں آئے۔ ایک بار بھی ملنے نہیں آئے۔ میں کب تک آپ کا انتظار کروں گی؟'' وہ آنکھوں میں آنسو سجائے بولی۔

''مینا! میری جان! تم بھی تو اپنی اسٹڈیز میں مصروف ہوتی ہو۔ کہاں کوہاٹ، کہاں حیدر آباد۔ نجانے تمہیں اتنی دُور جا کے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے علاقے کا ایجوکیشن لیول سندھ سے زیادہ بہتر ہے۔'' شاہ میر نے کہا۔

''شاہ میر! آپ ہمیشہ لیول، اسٹیٹس اور کام کی باتیں کیوں کرتے ہیں؟ جذبات، محبت، وعدے، کیا ان کی کوئی اہمیت نہیں آپ کے نزدیک؟'' وہ بولی۔

''دیکھو مینا! زندگی بہت چھوٹی ہے اور کرنے کو بہت سے کام ہیں۔ کما رہا ہوں۔ عنقریب میں پاکستان آؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''اور یہ عنقریب کب آئے گا شاہ میر! نکاح کو پانچ سال ہو گئے ہیں۔ نکاح کے فوراً بعد آپ چلے گئے۔'' آنسو اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ برس رہے تھے۔

''چیئر اپ مائی سویٹ ہارٹ! دل کیوں چھوٹا کرتی ہو؟ میں آ جاؤں گا۔'' یہ اور اس طرح کے کچھ اور معمول کے جملے کہہ کے شاہ میر نے فون رکھ دیا۔

نمکین، بے رنگ بوندیں ریسیور کے اوپر برسنے لگیں۔ وہ جب بھی فون کرتا تھا، اُداس کر دیا کرتا تھا۔ محبت کے دو بول بولنے تو اُسے آتے ہی نہ تھے۔ وہ ہمیشہ جذبوں کو تھپتھپا کے سلا دیا کرتا تھا۔

فون کی گھنٹی ایک بار پھر زور زور سے بجی۔ حرمین نے لپک کے فون اُٹھا لیا، یہ سوچ کے کہ شاید شاہ میر نے دوبارہ کچھ کہنے کے لئے فون کر لیا ہو۔

''حرمین! میں احد بات کر رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''احد صدیقی! آپ؟..... نمبر کہاں سے ملا آپ کو؟'' وہ آنکھیں صاف کر کے خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے حرمین! بس مجھے پتہ چلا ہے، آپ اُداس ہیں تو میں نے آپ کو فون کر لیا تاکہ اپنی بکواس اور سرپرائز سے آپ کو خوش کر سکوں۔'' وہ ہلکے پھلکے پن سے بولا۔

''کس طرح کا سرپرائز؟''

''بہت شاندار سرپرائز..... مابدولت کے آپ کے شہر میں ہونے کا سرپرائز۔''

''آپ کوہاٹ آئے ہیں؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''نہیں، کوہاٹ چل کے حیدر آباد آ گیا ہے۔'' اُس کی بے تکی بات پہ وہ مسکرا دی۔

''گھر آئیے ناں۔ امی اور بہن سے ملواؤں گی آپ کو۔ اور کھانا بھی کھائیے ہمارے ساتھ۔'' اُس نے آفر کی، جو احد نے فوراً قبول کر لی۔

''کل شام کو آؤں گا۔'' اُس نے مسکرا کر کہا اور فون رکھ دیا۔

اور اگلے ہی دن خوب صورت سے پھولوں کے گلدستے اور کارڈ کے ہمراہ وہ حرمین کے گھر میں موجود تھا۔ بچھڑی صورت دیکھ کے اُس کے روم روم میں جادو سا بکھر گیا تھا۔ روپ بھر گئی تھی۔

وہ پوری شام احد نے حرمین کے گھر والوں کے ہمراہ گزاری۔ خوب ہنسی مذاق ہوا۔ حرمین بھی بے حد ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ شاہ میر کی بے رُخی کا اثر احد کے اپنے پن نے دُور کر دیا۔

اگلے دن حرمین اُس کے ریسٹ ہاؤس آئی تھی۔ احد نے اُس کا استقبال کیا۔ اُس نے چائے کا آرڈر دیا۔ حرمین آتش دان میں جلتی لکڑیوں کے پاس بیٹھ گئی۔ ٹھنڈے ٹھنڈے ماحول میں جلتی لکڑیوں سے آتی گرمائش اور اُن کی آواز ماحول پر اِک سحر سا پھونک رہی تھی۔ چائے آ گئی اور احد نے اُسے چائے پیش کی۔

''یہ لیجئے، ٹھنڈی ٹھنڈی شام میں گرما گرم پٹھانی چائے۔''

''کتنا زبردست ماحول ہے تمہارے کمرے میں۔ جلتی لکڑیوں کی خوشبو، کھڑکی سے نظر آتا شام کا منظر اور خنکی۔ کس طرح خوب صورت بنا لیتے ہو تم لمحوں کو۔'' وہ بہت اپنائیت سے بولی۔

''آج کی شام تو کچھ زیادہ ہی خوب صورت بنا دی ہے آپ کی آمد نے۔ اور آج کی شام تو خوب صورت ہونی بھی چاہئے۔ کیونکہ یہ آپ کے جنم دن کی شام ہے۔'' احد نے مسکرا کے کہا۔

''میرا جنم دن؟..... کیا آج چوبیس جنوری ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''جی..... آج چوبیس جنوری ہے۔ آپ کا تیئسواں جنم دن۔'' احد نے مسکرا کے ایک پھول اُسے پیش کیا۔ سرخ رنگ کا تازہ خوب صورت گلاب۔

''یہ کدھر سے آیا؟'' اُس نے پھول کی جانب اشارہ کیا۔

''جدھر سے آپ آئی ہیں، پھولوں کی بستی سے خوشبو کا پیرہن پہن کر۔ کہئے، آج کے

جنم دن پہ آپ کو کیا تحفہ چاہئے؟''

''تحفہ جو مجھے مل گیا سرپرائز۔ مجھے اپنی سالگرہ یاد بھی نہ تھی۔ گھر میں تو خیر کوئی خاص ٹریٹ نہیں پارٹی کا۔ لیکن پچھلے دو سال سے شاہ وش کرتی آئی ہے۔'' حرمین نے کہا۔

''اُسی نے مجھے بتایا۔ اچھا، کوئی گیت سنیں گی؟'' احد نے اپنا گٹار صوفے کے پیچھے سے اُٹھایا۔

''اس کو بھی لے آئے ہو ساتھ؟'' حرمین نے مسکرا کے چائے کا خالی کپ سائیڈ پہ رکھ دیا۔

''میں سفر کروں اور میرے ہمراہ میری محبت نہ ہو، کیسے ممکن ہے؟..... کیا سنیں گی؟'' احد گٹار پکڑ کے بجانے کی پوزیشن بنا کے بیٹھ گیا۔

''کوئی نظم سناؤ اپنی۔ بہت اچھی نظمیں لکھتے ہو، یونیورسٹی کے رسالے میں۔'' حرمین نے تعریف کی۔

''آپ پڑھتی ہیں؟'' اُس کے کہنے پر حرمین نے گردن ہلائی۔

''ایک تازہ نظم ہے، اسے میوزک میں گانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' اُس نے کہا اور گٹار کے تاروں پہ ہاتھ رکھ دیئے۔ خوب صورت دُھن کے ہمراہ خوب صورت لفظ بکھرنے لگے۔

''وہ بادلوں کی بنفشی لکیر ہے کوئی
نظر کی تتلی کے پَر پہ جو دائروں کی طرح
سکڑتی، پھیلتی رہتی ہے ساتھ خوشبو کے
وہ چاندنی ہے کہ جو برف پوش وادی میں
خیالِ شوقِ تمنا کے خواب میں اُترے
جو شب کے پچھلے پہر دل کی شبھ دُعا کی طرح
سکون یافتہ جھیلوں کے آب میں اُترے
جو تمتماتے گلابوں کے اَن چھوئے در پہ
محبتوں کی ہوا کی گداز دستک ہے
وہ ایک خواب ہے دنیا میں آشتی کی طرح
وہ بے ثبوت ہے لیکن وجود ہے اس کا
دھنک کا آٹھواں رنگ ہے وہ عام سی لڑکی

اُسی کے نام کرتا ہوں شاعری اپنی''

احد کے بولوں میں، اُس کے سازوں، اُس کی دُھنوں میں وہ ہمیشہ کھو جاتی تھی۔ اب بھی وہ نم آنکھوں سے اُس کو دیکھ اور اُس کے بولوں کو محسوس کر رہی تھی۔

''کتنی چاہت، کتنی محبت تمہارے لفظوں میں ہے۔ تمہارے لہجے میں احساسات کا اِک بھنڈار ہے۔ کچھ لہجے کتنے جھیتے ہیں، جب بولتے ہیں۔ دوسرے کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ رُوح لرز جاتی ہے۔ لیکن تمہارا لہجہ، تمہارے لفظ بہت سکون پہنچاتے ہیں۔ چاندنی سی ٹھنڈک اور جھیلوں سا ٹھہراؤ ہے ان میں احد!'' حرمین نے گہرائی میں اُتر کے کہا۔

''محبت لب و لہجے کی آبرو رکھنا سکھا دیتی ہے۔ یہ ٹھہراؤ، یہ ٹھنڈک محبت عطا کرتی ہے۔'' احد اپنے گٹار کے تاروں کو چھوتے ہوئے بولا۔

''تمہیں کس سے محبت ہے احد؟..... کس سے؟..... بہت خوش نصیب ہو گی ناں وہ؟'' حرمین کی آنکھوں میں اُداسی تھی۔ احد کو یہی وقت اظہار کے لئے بہترین لگا۔ وہ دل ہی دل میں الفاظ جوڑنے لگا۔ وہ کہنے ہی والا تھا کہ حرمین بول اُٹھی۔

''مجھے بھی کسی سے محبت ہے احد!'' ایک ہتھوڑا تھا، جو احد کی سماعتوں پہ لگا۔

''شاہ میر سے۔'' ایک دوسرا ہتھوڑا اور اُس کی سماعتوں کے پرخچے اُڑ گئے۔

''شوہر ہے میرا..... پانچ سال قبل نکاح ہوا تھا اور رخصتی سے قبل ہی وہ ملک چھوڑ گیا۔ میں آج تک اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔'' کمان سے نکلے بے رحم تیر کی طرح ذرا ذرا سے جملے احد کے دل میں چبھتے رہے۔ اُس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''کیسے..... کیسے کر سکتی ہو تم کسی سے محبت حرمین؟'' وہ دیوانگی سے بولا۔ حرمین حیران رہ گئی۔ آنکھیں پھیلائے اُسے دیکھتی رہی۔

''کیا مطلب؟'' وہ بولی۔

''مطلب یہ حرمین! کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ دل و جان سے۔ تمہیں صرف یہی کہنے کے لئے اتنی دُور آیا ہوں۔ اور تم کہتی ہو، تمہیں کسی اور سے محبت ہے؟'' وہ وارفتگی کے عالم میں بولا اور اپنا گٹار سائیڈ پہ رکھ دیا۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب شدت جھلک رہی تھی۔

''احد صدیقی! سنبھالو اپنے آپ کو..... پاگل ہو گئے ہو تم۔ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ بیوی ہوں کسی کی۔''

''بیوی، مائی فٹ۔ مجھے کچھ پتہ نہیں، سوائے اس کے کہ مجھے تم سے محبت ہے اور جواب میں مجھے بھی تم سے محبت چاہئے۔ ورنہ میں تباہ و برباد کر دوں گا، سب کو اور خود کو۔''

وہ اُسے دونوں کندھوں سے تھام کے بولا۔ عجب جنون تھا اُس کے اندر۔

''میں نے تمہارے بارے میں اپنی رائے بدل لی تھی۔ مگر میں نے غلط کیا۔ تم ویسے ہی گھٹیا اور اوباش ہو، جیسا میں سمجھتی تھی۔ آئی ہیٹ یُو!'' اپنا آپ چھڑاتی، نفرت سے کہتی وہ ریسٹ ہاؤس کے کمرے سے نکل گئی۔

❖❖○❖❖

''آئی لو یُو ..... اینڈ آئی وِل لو یُو، فار ایور۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا اور زار و قطار آنسو بہانے لگا۔ اکیلی، تنہا ویران محبت آنسو بہا رہی تھی۔ اپنی نارسائی پہ رو رہی تھی۔

''دو سال تین ماہ میں مسلسل تمہیں اشارتاً سمجھاتا رہا حرمین خان! کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہاری آنکھیں، تمہاری ہنسی کی آواز میرا چین چرا گئی ہے، میری نیندیں حرام کر گئی ہے۔ تمہیں شاید یقین نہیں آئے گا، یقین کرنا ہے تو یونیورسٹی کے سفید گلابوں والی سڑک سے پوچھو، جس پہ میرے بے قرار قدموں کے نشان ہیں..... اپنے ہاسٹل کی کھڑکیوں سے پوچھو کہ چاند کے علاوہ اور کون رات رات بھر اُنہیں تکتا رہتا ہے..... جامشورو کی ٹھنڈی اور ویران راتوں سے پوچھو کہ احد صدیقی کس کی یاد میں آنسو بہاتا ہے۔'' احد کی بے قرار آواز حرمین کے موبائل میں گونج رہی تھی اور وہ خاموشی سے اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''لفظوں کا جوڑ توڑ کرنا تمہیں خوب آتا ہے احد صدیقی! آخر کو ہماری یونیورسٹی کے ٹاپ کے شاعر ہو۔'' وہ طنزیہ بولی۔

''یہ الفاظ وہ نہیں ہیں حرمین! جو میں کسی مشاعرے کو جیتنے کی خاطر سناتا ہوں۔ یہ میرے کاغذ پہ بکھرنے والے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ میرے دل کی آواز ہیں۔ میری محبت ہے۔ اس محبت کا ایکسٹریم ہے۔'' وہ روہانسے انداز میں بولا۔

''تم جیسے لڑکوں کی محبت کے ایکسٹریم ہر لڑکی کے لئے ہوتے ہیں۔ کیا میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا، فاطمہ شاہ کے ساتھ، ایمن عباس اور زرش آفریدی کے ساتھ؟..... خود میری آنکھیں گواہ ہیں احد! میں کسی اور سے گواہی کیا مانگوں؟'' وہ چیخی۔

''تم نے دیکھا ہوگا..... میں مانتا ہوں، تم نے دیکھا ہوگا۔ لیکن مجھے اُن میں سے کسی میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے دل کا نیوکلس تو صرف اور صرف تمہارے گرد ہی چکر کاٹتا ہے۔ مجھے صرف اور صرف تم سے محبت ہے۔'' احد کی آنکھوں سے اِک گرم قطرہ گرا اور اُس کے ٹھنڈے گال کو بھگو گیا۔

''مجھے یقین نہیں۔'' وہ قطعی لاتعلقی سے بولا۔

''تمہیں کیسے یقین دلاؤں؟'' عجیب بے بسی تھی اُس کے اندر۔

''مجھے اس یقین کی کوئی ضرورت نہیں۔ دو ماہ بعد میرا شوہر واپس آئے گا اور میں اپنی زندگی کی نئی شروعات کروں گی۔ فائنل ٹرم کے بعد حیدر آباد سے میرا ناطہ ختم۔'' وہ آرام سے بولی۔ ''نہیں ختم ہو سکتا تمہارا ناطہ حیدر آباد سے۔ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ تمہاری تو روح راتوں کو بھٹکے گی میرے شہر کی گلیوں میں..... میرے دل کی شدت تمہیں سکون سے سونے بھی نہیں دے گی حرمین!'' وہ جنون کی انتہا کو چھو رہا تھا۔

''نفرت ہے مجھے تم سے..... آئی ہیٹ یُو!'' نفرت کی وہی گردان پھر سے شروع ہو گئی اور فون بند ہو گیا۔

احد نے اُس کی نفرت کو بھی اپنے دل میں محبت بنا کے اُتار لیا۔

❖❖○❖❖

اگلے دن احد واپس حیدر آباد آ گیا۔ لیکن ایک خط اُس دشمن جاں کو پوسٹ کر آیا۔

خط کی تحریر حرمین کے سامنے تھی:

''بہت قابلِ احترام اور اچھی حرمین!

آج میں واپسی کا سفر اختیار کر رہا ہوں۔ نجانے کیوں، واپسی کا سفر ہمیشہ دُشوار ہوتا ہے، ہر کسی کے لئے۔ واپسی کے سفر میں دل بہت بوجھل، آنکھیں بہت نم اور رُوح بہت تھکی سی ہوتی ہے۔ سو میں بھی اسی طرح کے محسوسات میں گھرا ہوا ہوں۔ میرا بھی دل بہت بوجھل ہے، آنکھیں نم ہیں اور رُوح بہت تھکی ہوئی۔ میری رُوح کے لئے یہی کچوکا بہت ہے کہ اسے اس کی چاہت نہیں مل سکی!

میں بہت اُمیدیں لے کے تمہارے شہر آیا تھا حرمین! خوابوں کی کتنی ہی ننھی ننھی کونپلوں کو اپنے جذبات کی بارش سے سبز کیا تھا۔ اپنے دل میں خوشیوں کا اس قدر سبزہ دیکھ کر میں بہت سرشار ہو جاتا تھا۔ محبت نے مجھے بہت سرشاری عطا کی تھی۔ پچھلے دو سال میرے اسی سرشاری میں گزرے۔ میں ہر ہر آن سنورتا تھا، ہر ہر گام گنگناتا تھا۔

میں روز تمہارے نام اِک خط لکھتا تھا اور روز پھاڑ دیتا تھا۔ ان خطوط میں میرے جذبات کی آگہی، میری محبت کی روشنی ہوتی تھی۔ مگر میں کبھی

ہمت نہ کر پایا ان میں سے ایک بھی خط تمہیں تھمانے کی۔ وجہ یہی تھی کہ میں ڈرتا تھا کہ محبت پانے کی چاہ میں، میں تمہاری دوستی سے بھی دستبردار نہ ہو جاؤں۔ تاج محل پانے کی چاہ میں، میں اپنے چھوٹے سے ریت گھروندے کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ گزرتے وقت نے مجھ میں یہ اُمید جگائی کہ تم خود ہی میرے احساسات کو سمجھ لو گی، میرے جذبات کی لو تم تک پہنچ جائے گی۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اس قدر گہری، تڑپتی محبت محبوب کے دل پہ دستک نہ دے سکے۔ لیکن شاید محبت کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ میری محبت تمہارے دل کے بند کواڑوں کو کھٹکھٹا ہی نہ سکی۔ میرے جذبے، میرے ہی دل کی دیواروں سے ٹکرا کے پاش پاش ہوتے رہے۔

میری چٹھیوں میں لکھے میرے تمام الفاظ اور سرنامے خزاں کے پتوں کی طرح ہوا کے دوش پہ اُڑتے اُڑتے تمہارے شہر تک آتے اور دوبارہ عذابِ دربدری سے گزر کے میرے ہی دروازے پہ تھک ٹوٹ کے گر جاتے!.....تم تک جذبات کی ایک بھی چٹھی نہ پہنچ سکی!

دو سال کی اس جنگ کے بعد میں نے ہمت کی کہ فقط ایک بار تمہیں بتا سکوں کہ میری نظموں، میرے لفظوں، میرے سازوں اور گیتوں میں جس کا چہرہ، جس کا تخیل بستا ہے، وہ تم ہو.....صرف تم.....نہ پہلے کوئی تھی اور نہ پھر کبھی ہو سکتی ہے۔ میں نے وہ راز تم تک پہنچا دیا۔ لیکن اس سے قبل تمہارے ہونٹوں سے نکلے فقط ایک جملے نے میری دنیا ہی تہس نہس کر دی۔ میری سماعتوں کے پرخچے اُڑا دیئے.....لیکن محبت انتقام نہیں ہوتی۔ محبت بدلہ، محبت نفرت نہیں ہوتی، محبت چھینتی نہیں۔ میں تم سے محبت کی بھیک نہیں مانگوں گا۔

میری محبت کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہوں گی، اس کی روح بوجھل اور تھکی ہوئی ہو گی، لیکن اس کا سر ہمیشہ ہمیشہ اُٹھا رہے گا۔ مجھے میری آخری محبت مبارک اور تمہیں تمہاری خوشیاں!

محبت نے ہم دونوں کو کچھ نہ کچھ دیا ہے۔ تمہیں کامرانی اور بامرادی اور مجھے تنہائی اور نارسائی!

ہم میں سے کوئی ناکام نہیں! آخری خط کے اختتام میں فقط یہی لکھنا

چاہتا ہوں کہ تم میری پہلی خواہش ہو، اور تم میری آخری محبت ہو!.....
اب یہ رُوح کسی کی تابع نہیں ہو سکتی۔ اب یہ دل کسی کا نہیں ہو سکے گا۔"

فقط

احد صدیقی

خط کے اختتام پر حرمین کا دل کچھ بوجھل اور کچھ خاموش تھا۔ اُس کے الفاظ میں اِک سچائی تھی، جو اپنا آپ منوا رہی تھی۔ مگر حرمین خود اس سچائی کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔

"لفظوں کے جال بُننا تمہیں خوب اچھی طرح آتے ہیں احد صدیقی!"

اُس نے خط کو توڑ موڑ کے زمین پہ پھینک دیا۔ جذبات میں بھیگا وہ بیچارہ کاغذ تڑپ رہا تھا۔

❖❖○❖❖

حیدر آباد واپس آنے کے بعد بھی حرمین ذہنی طور پہ بہت پریشان تھی۔ اب اُس کا دل پڑھائی اور باقی ایکٹویٹیز میں بمشکل لگتا تھا۔ اور اُس کی عدم دلچسپی کی وجہ تھا، شاہ میر۔ صرف اور صرف شاہ میر۔

احد والے واقعے کے بعد وہ اشاروں کنائیوں میں شاہ میر کو بتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ یہاں تنہا محفوظ نہیں سمجھتی خود کو۔ کسی چیز میں اُسے اس تحفظ کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ بہت تنہا محسوس کرتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے، ہزاروں صفائیوں اور اظہارِ تنہائی کے، شاہ میر اُسے ٹالتا رہا، یہ کہہ کے کہ اُس کے لئے پڑھائی اور ڈگری زیادہ ضروری ہونے چاہئیں۔ وہ جذبات کی رو میں بہک کے، جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ لے۔ شاہ میر کی اس طرح کی باتوں نے اُس کے دل کو بہت بوجھل کر دیا۔

❖❖○❖❖

آخری سمسٹر تھا۔ سبھی طلباء اور استاد ایگزام سے متعلق زیادہ سنجیدہ ہو گئے۔ احد اور حرمین کا جو تھوڑا سا بھی تعلق تھا، وہ ٹوٹ گیا۔ احد نے بھی اُسے دوبارہ کبھی تنگ نہیں کیا۔ ہمیشہ اُس کے سامنے فارمل اور لیا دیا رہتا تھا۔ پھر اسی سمسٹر کے دوران یونیورسٹی میں سالانہ مشاعرہ ترتیب دیا گیا۔ گویا سالانہ مشاعرہ آل پاکستان مشاعرہ تھا، جہاں پورے ملک سے مختلف یونیورسٹیز اپنے اپنے طالب علم بھیج رہی تھیں۔

حرمین، ہاسٹل کے کمرے میں بیٹھی پڑھائی کی کسی کتاب میں دلچسپی لینے کی کوشش کر رہی تھی، جب ثناء نے وہ کارڈ اُس کی کتاب کے اوپر رکھا اور پھر کچھ کہے بغیر ساتھ رکھے

بیڈ پر ڈھے گئی۔

''کیا ہے یہ؟'' حرمین نے اُلٹ پلٹ کے دیکھا۔

''دعوت نامہ ہے۔'' مختصر سا جواب آیا۔

''کس چیز کا دعوت نامہ؟''

''زرش اور احد کی شادی کا۔'' ثناء کی بات نے اِک ہتھوڑا برسایا حرمین کے دماغ پہ۔

''کیا؟''

''کیوں، نہیں ہو سکتی اُن کی شادی؟'' ثناء نے طنز سے پوچھا۔

''ہو سکتی ہے۔ لیکن میری حیرت کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح اچانک۔ کیا ان کا کوئی افیئر تھا؟'' حرمین نے اپنے تاثر کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ ثناء نے ایک ٹھنڈی سانس باہر نکالی۔

''فی الحال تو یہ کارڈ یونیورسٹی کے مشاعرے کا ہے، جو پرسوں ہو رہا ہے۔ لیکن میں ابھی زرش سے سن کے آئی ہوں کہ اُس نے احد کو پرپوز کیا ہے اور احد نے ہامی بھر لی ہے۔ اور مجھے غصہ اس بات پہ آ رہا ہے کہ احد نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' ثناء نے کہا۔

''تمہیں کیوں بتاتا وہ؟ تمہارا، اُس کا کیا رشتہ ہے؟'' حرمین نے پوچھا۔

''اس کے اور میرے بیچ پہلے تو کوئی رشتہ نہیں تھا، لیکن اب ہے۔ اور وہ رشتہ تم ہو! کوہاٹ سے واپس آنے کے بعد احد سیدھا میرے پاس آیا تھا۔ میرے کندھے پہ سر رکھے وہ بلک بلک کے رویا تھا۔ مجھے ہر وہ بات بتائی، جو اُس کے اور تمہارے بیچ ہوئی تھی۔ پورا ہفتہ شدید بخار کی حالت میں اُس نے صرف اور صرف مجھ سے تمہاری باتیں کیں۔ اُس کے اور میرے بیچ جو رشتہ ہے، وہ انسانیت کا ہے۔ تم نے اُسے جو درد دیا ہے، میں اُس درد کو بانٹتی تھی۔'' ثناء کی آنکھیں نمی چھلکانے لگی تھیں۔ لیکن وہ خاموش ہو گئی۔

''Stop this nonsense ثناء! تم جانتی ہو، میں اُس سے محبت نہیں کرتی۔'' وہ بولی۔

''محبت نہیں کرتی تھیں تو اُس سے نفرت کا اظہار کرنے کا بھی تمہیں کوئی حق نہیں تھا۔ چھوڑو یار! میں بھی پاگل ہوں، ایک پتھر سے کلام کر رہی ہوں۔ تم کہاں سمجھو گی کہ وہ کتنا مٹ چکا ہے تمہاری محبت میں اور مزید کتنا مٹا سکتا ہے خود کو۔ زرش سے شادی کا فیصلہ بھی فقط اِک انتقام ہے، اور کچھ نہیں۔'' ثناء نے نفی میں اپنی گردن ہلائی۔

''حرمین خاموش رہی، کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اور کچھ بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

❖❖○❖❖

مشاعرے میں سبھی لوگ موجود تھے۔ بارہ سو افراد والا آڈیٹوریم کھچا کھچ لوگوں سے بھرا تھا۔ نہ صرف یونیورسٹی، بلکہ پورے ملک کے لوگ وہاں موجود تھے۔ کئی شعراء آ چکے تھے۔ کچھ آ کے باری باری اپنی نظمیں سنا رہے تھے۔ ہر کسی کا اپنا اندازِ بیاں تھا۔ ہر کسی کے اپنے احساسات تھے۔ داد و تحسین کا شور اُٹھتا اور شاعر مزید جوش و خروش سے آگے بڑھتا۔

احد صدیقی کے نام کی اناؤنس منٹ سے ہر طرف سے شور اُٹھا تھا۔ مقامی لوگ اور یونیورسٹی فیلوز اس نام سے بخوبی واقف تھے، سبھی کے ہاتھ تالیوں کے لئے بلند ہوئے تھے، سوائے حرمین کے ہاتھوں کے۔ وہ ثناء کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ احد کا نام آتے ہی اُس نے تالیاں بجانی بند کر دیں اور خاموش بیٹھ گئی۔

احد اپنے گٹار کے ہمراہ اُٹھ کے آیا تھا اور ایک اسٹول پہ بیٹھ کے مائیک آگے رکھا۔ آڈیٹوریم میں سکوت چھا گیا۔

''معزز سامعین! اپنے مخصوص انداز میں، اپنے گٹار کے بیک گراؤنڈ میں نظم سنانا چاہتا ہوں۔ اُمید ہے، پسند آئے گی۔'' احد نے جوں ہی گٹار کے تاروں پہ ہاتھ رکھے، فضا میں تالیوں کا ایک شور اُٹھا۔

گٹار کے میوزک کے بیک گراؤنڈ میں احد کی جذباتی آواز کا ایکو چاروں طرف پھیلنے لگا۔ وہ نظم گنگنا نہیں رہا تھا، فقط اپنے الفاظ کے پیچھے اپنے گٹار کے تاروں کا احساس دے رہا تھا۔

''دھڑکتے ہو میرے دل میں
رُوح میں سانس لیتے ہو
نظر میں آپ بولتے ہو
یا خوابوں کو پروتے ہو
کہ جتنا دُور جاتے ہو
اُتنا ہی پاس آتے ہو
کبھی تم بے وفا بن کے
بہت مجھ کو رُلاتے ہو
کبھی تم مجھ کو خط میں
پیار کے وعدے بھی لکھتے ہو
کبھی تم فون پہ بے حد ہی غصے میں

بہت ہی ترش سی کوئی بات کہتے ہو
اور پھر رات بھر تکیے بھگوتے ہو
کبھی تم مجھ سے کہتے ہو
کہ تم میرے نہیں ہو گے
کبھی تم ہاتھ پھیلائے مجھی کو مانگتے ہو
کبھی تم میرے خط کو پھاڑ دیتے ہو
کبھی تم ان کے ٹکڑے جوڑ کے
پھر پڑھتے رہتے ہو
کرو جو بھی ہمارے ساتھ
پر سُن لو.....!
ہمارے تھے، ہمارے ہو.....!
ہمارے نام پر ہی جیتے رہتے ہو
میری دھڑکن میں پہلے دن سے بسنے والی
اِک انجانی چاہت ہو
تم میری پہلی پہلی خواہش تھے
تم میری آخری محبت ہو.....!

احد کا چہرہ اندرونی جذبات کا عکاس تھا۔ آنکھیں موہوم سی سرخی اور نمی سے جھلملا رہی تھیں۔ الفاظ میں خود بخود ایک ماورائی کشش آ سمائی تھی۔ اور یہی کشش لوگوں کے دل پہ بھی دستک دے چکی تھی۔ فضا میں تالیوں کا اِک شور تھا۔

حرمین کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو گئیں۔ ریڑھ کی ہڈی کے پاس بھی اِک لہری اُٹھی۔ وہ عین یہی منظر اپنے خواب میں بھی دیکھ چکی تھی، احد اُسے اسی شدت، اسی محبت سے یقین دلاتا ہے کہ تم میری آخری محبت ہو۔

ان جانے پہچانے، مانوس الفاظ کی گردان اُس کی روح کو بھی لرزا رہی تھی۔ تالیوں کی گونج کی آواز گویا دب گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

وہ بوجھل قدموں سے ہاسٹل کی طرف جانے لگی۔ وہ محفل چھوڑ آئی تھی۔

❖❖○❖❖

''حرمین! رُک جاؤ۔'' احد کی آواز نے اُس کے چلتے قدم روک دیے تھے۔ وہ اُس

کے سامنے آ گیا تھا۔ سیاہ رنگ کی شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس، آنکھوں پر نظر کا چشمہ چڑھائے، احساسات اور جذبات سے تر آنکھیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''کہیں بھی جاؤں، اس سے تمہیں مطلب؟'' وہ تپ گئی تھی۔

''محبت سے ڈرتی ہو ناں؟ نظریں چرا کے بھاگتی ہو؟ اپنے ہی اندر بھڑکتے الاؤ سے خوف کھاتی ہو ناں؟'' احد کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ پہلی مرتبہ اُسے تم کہہ کے بلا رہا تھا۔

''میں کسی سے نہیں ڈرتی احد صدیقی! نہ میں تمہاری محبت کو مانتی ہوں..... نفرت ہے مجھے اس محبت سے، جس کا تم پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہو۔ تمہیں کسی کی رُسوائی، کسی کی بے عزتی کی بھی پروا نہیں۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی۔

''میں تمہیں اپنی عزت مانتا ہوں۔'' احد کے لہجے میں مان تھا۔

''تف ہے تم پر احد! نفرت ہے مجھے تم سے۔'' وہ بھڑک اُٹھی۔

احد بہت مطمئن سا کھڑا تھا۔ آنکھوں میں بدستور وہی جذبے اور چمک تھی۔ دُور سے کسی شاعر نے اپنا مصرعہ پڑھا تھا ۔

یہ عشق تیرا پہنچا آج کس مقام پر
نفرت بھی مجھ کو تیری، بہت قیمتی لگی

احد نے اپنی شہادت کی اُنگلی اُٹھائی اور اُس کی طرف دیکھا۔

''اکائی کی طاقت، عشق کا جنون بہت انمول ہوتا ہے حرمین! اس پہ یقین کرو۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں یہ احساس ہو جائے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے، مجھے اس محبت کی صداقت پہ کتنا مان ہے، میں اپنی طرف سے کتنا سچا ہوں۔ ایک بار ہی سہی حرمین! تمہیں اس کا یقین ضرور آئے گا۔ اکائی کی طاقت کبھی ہار نہیں سکتی۔ اور جس دن تمہیں اس کا یقین آ گیا حرمین! اُس دن میری محبت کی جیت ہو گی۔ فتح ہو گی میری وفا کی۔'' نمی اُس کی آنکھوں میں گہری ہوتی گئی۔

''ایسا دن کبھی نہیں آئے گا احد!..... ایسا دن میں کبھی آنے نہیں دوں گی۔'' وہ بہت مغرور لہجے میں کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

آنکھ میں کتنی دیر سے اٹکی نمی بالآخر احد کی آنکھ سے پھسل گئی۔

❖❖○❖❖

وقت پَر لگا کے اُڑتا رہا۔ فائنل ایگزامز ہو گئے، چھٹیاں ہو گئیں۔

وہ کوہاٹ واپس آ گئی، ہمیشہ کے لئے۔ اور شاہ میر کے لوٹ آنے کے بعد اُس کی رخصتی بھی ہو گئی۔ وہ اپنی زندگی سے بہت خوش رہنے لگی۔

احد صدیقی فقط ایک ٹھنڈی آہ اور انجانی یاد بن کے فضا میں پرواز کرتا رہا۔ ہاں، مگر اُس کے خوابوں سے حرمین کا رشتہ کبھی بھی نہ ٹوٹ سکا۔

❖❖○❖❖

پانچ برس بعد کی اِک جگمگاتی صبح تھی۔

''نئے انٹرویوئر آ گئے ہیں؟'' اُس نے ساتھ چلتے ہوئے ضیاء سے پوچھا تھا۔

''جی ہاں! ٹوٹل تیس لڑکے لڑکیاں ہیں۔ لاؤنج میں انتظار کر رہے ہیں۔ جب آپ کہیں، انٹرویو اسٹارٹ ہو جائے گا۔'' ضیاء نے کہا۔

''او کے۔ تم ان تمام کی سی ویز اندر بھجوا دو۔ میرا خیال ہے، کسی اور ممبر کا بیٹھنا ضروری نہیں۔ تم جا کے ٹریننگ ڈویژن کا جائزہ لے آؤ۔ یہ تیس بندے صرف ایک گھنٹے کا جھنجھٹ ہیں۔ دو جملوں سے ہی پتہ چل جائے گا، کون کسٹمر کالز لینے کے لائق ہے، کون نہیں۔'' گرے کوٹ کے بٹن بند کرتا ''ایم۔اے۔ایس'' اپنے دفتر کی جانب بڑھا۔

محمد احد صدیقی یہاں شارٹ میں ایم۔اے۔ایس کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہ بین الاقوامی کال سینٹر کا جدید دفتر تھا، جہاں احد ایچ۔آر آفیسر تھا۔ تین سال قبل اُس نے ہیومن ریسورسز مینجمنٹ کی ڈگری لی اور یہاں اچھی پوسٹ پہ لگ گیا۔ اپنا ذاتی فلیٹ اور انسٹالمنٹ پہ گاڑی لے لی۔ زندگی نے اِک نئی رفتار پکڑ لی۔ اپنے دفتر کے شیشے کے پارٹیشن کے اس پار بیٹھا، وہ اس انوکھی کال سینٹر کی دُنیا کو دیکھا کرتا تھا۔

قطار میں بیٹھے لڑکے اور لڑکیاں کانوں پہ ہیڈ فون چڑھائے، دنیا بھر کے فون کے فون پہ بیوقوف بنا رہے ہوتے۔ یہاں Rebuttals بھی ہوتے، کہ اس کو کچن ہوتے، کسٹمر کو اُس کی کمزوریوں سے ٹریپ کیا جاتا، اُسے مکھن لگا کے اپنی پراڈکٹ یا سروسز بیچی جاتیں۔ یو کے، یو ایس اے اور آسٹریلیا میں بیٹھے لوگ فقط ٹنگر ٹپس پہ بے وقوف بن جاتے اور اس سب کے لئے درکار ہوتا فقط اچھا انگریزی لہجہ، ذہانت اور وقت کا بہترین استعمال۔

آج بھی انہی ایجنٹس کے انٹرویوز کرنے تھے۔ احد کو اُن کے انٹرویوز کرنے میں اس لئے بھی دلچسپی تھی کہ وہ فقط ایک ہی نظر میں پہچان لیتا تھا کہ کون سا لڑکا یا لڑکی اس کام کے لئے بہتر ہے، کس میں صلاحیت ہے کہ وہ کام کر لے، کون نہیں کر سکتا۔ زیادہ تر احد کی سلیکشن اچھی مانی جاتی تھی۔

احد اپنے آفس میں آ کے بیٹھا۔ گلاس پارٹیشن کی دوسری جانب کچھ کنفیوز، کچھ ریلیکس لڑکے لڑکیوں کو دیکھا۔ کچھ انتہائی ماڈ اسکاڈ اور کچھ سادہ سے چہرے تھے۔ کچھ ڈری سہمی مسکراہٹیں اور کچھ ایسے ڈھیٹ تاثرات، جن کی شکل دیکھ کے لگتا تھا کہ وہ کئی انٹرویوز دے چکے ہیں۔ اور اُنہی پر نظر ڈالتے ڈالتے احد کی آنکھیں ٹھہر گئیں..... سانس تھم سی گئی۔ سینے کے کونے میں دھڑکن تیزی سے دوڑنے لگی۔

سفید دوپٹہ، شلوار اور فیروزی قمیض میں وہ حرمین خان تھی۔ اور وہ کیسے نہ پہچانتا اُس چہرے کو۔ وہ کھلتے پھولوں سی، جگمگاتی رنگت، وہ شراب اُنڈیلتی آنکھیں۔

وہ گود میں رکھی فائل پہ اپنے ہاتھ رکھے، غیر مرئی نقطے پہ آنکھیں ٹکائے، ہمیشہ کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔ وہ دُور سے ہی بہت دُبلی، بہت بیمار لگ رہی تھی۔

احد نے کھڑے ہو کے اُس کی جانب دیکھا۔ اور لوگ تو متوجہ ہوئے مگر اُس نے نہیں دیکھا۔ احد نے انٹر کام اُٹھایا اور دفتر کے باہر بیٹھی ریسپشنسٹ سے بولا۔

''مس الیفٹ رو میں بیٹھی تیسری لڑکی کی سی وی پہلے اندر بھجوا دیں۔ پہلے اُن کا انٹرویو ہوگا۔''

''لیفٹ رو، سر! لیکن اُن کے ساتھ ایک پرابلم ہے۔'' کرسچین سگرڈ نے حرمین کی طرف دیکھ کے کہا۔

''پرابلم؟'' احد کا دل دھڑکا۔

''اُنہوں نے اپنا سی وی بھی مجھے دے دیا ہے۔ وہ کام میں انٹرسٹڈ بھی ہیں..... بٹ سر! شی از بلائنڈ۔'' سگرڈ نے کہا۔ احد کی حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔

''وہاٹ؟'' وہ بولا۔

''آئی تھنک سر! وہ جاب کے لائق نہیں ہے۔ کیا میں اُسے ریفیوز کر دوں؟'' سگرڈ زیادہ جلدی میں تھی۔

''مس سگرڈ! میں نے ایسا نہیں کہا۔ جسٹ سینڈ ہر اِن۔'' وہ سختی سے بول کے اُس کی جانب دیکھنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سایہ برگ گل، وہ جہانِ آب و گل سے ماورا لڑکی، وہ چاند نگر کی اُتری پری اُس کے سامنے تھی۔ وائٹ کین کی مدد سے چلتی وہ اندر آئی اور کرسی کو ہاتھ سے ٹٹول کے اس کے سامنے براجمان ہو گئی۔

احد نے اِک محبت بھری نگاہ اُس پہ ڈالی۔ اُس کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ، یونیورسٹی

کی چھیڑ چھاڑ اُس کی آنکھوں کے آگے جھلملا گئی۔

چلو چھاؤں پہنتے ہیں
چلو اوول میں چلتے ہیں
چلو کینٹین میں بالا جبار میں جا نکلتے ہیں
چلو ٹاور کے میں
چلو ہم روشنی کے قرمزی مینار کے لمحوں میں رُکتے ہیں
چلو ہم خواب بُنتے ہیں
چلو چھاؤں پہنتے ہیں
چلو ہم تتلیوں کو، جگنوؤں کو راستے دے کر
نئی سمتیں بناتے ہیں
چلو ہم ہاتھ میں شمعیں اُٹھا کر، زندگی کو راہ دکھاتے ہیں
چلو ہم مٹھیوں میں دھوپ کی کرنیں چھپاتے ہیں
چلو ہم چاند کے زینے پہ چڑھ کے، گیت گاتے ہیں
چلو ہم بادلوں کے دیس سے کچھ خواب لاتے ہیں
چلو ہم بارشوں کو اپنی آنکھوں میں پروتے ہیں
چلو اس چلچلاتی دھوپ پر اِک نظم لکھتے ہیں
چلو چھاؤں پہنتے ہیں.....!!

وہ، جس کو دیکھ کر اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز رفتاری سے دوڑنے لگی تھیں، جو اپنی آمد سے رنگوں، خوشبوؤں اور روشنیوں کو لے آئی تھی، جو ہاتھ میں مائیک تھامتی، تو اُس کی خود اعتماد آواز اپنا جادو دیکھنے والوں پہ پھونک دیتی۔ جو قلم تھامتی تو لفظ اُس کی اُنگلیوں کے تابع ہو جاتے۔ وہی لڑکی، آج بجھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اُس کے سامنے تھی۔ احساس کا رشتہ تو فقط احد کے دل میں تھا۔ اور بصارت کا رشتہ بھی اب گویا ختم ہو گیا تھا۔

''مس حرمین خان، فرام کوہاٹ۔ کوالیفیکیشن ایم۔اے اُردو فرام سندھی یونیورسٹی۔ ایج اُنیس سال۔'' وہ اپنی ٹیبل پہ رکھی حرمین کی سی وی پڑھ رہا تھا۔ مانوس آواز نے حرمین کے دل کی دھڑکنیں تیز کر رکھی تھیں۔

''یہ جاب آپ کی ضرورت ہے یا پھر شوق؟'' پہلا سوال آیا۔

''سر! گو کہ میں نے آج تک ہر کام اپنے شوق کو سامنے رکھ کے کیا ہے، لیکن یہ جاب

میری ضرورت ہے اور مجبوری بھی۔'' وہ بولی۔ آواز میں وہی برسوں پرانا اعتماد تھا۔

''وہ کیسے؟''

''میں دیکھ نہیں سکتی۔ بریل ایجوکیشن لینے اور لکھنا سیکھنے میں مجھے بہت وقت لگے گا۔ میرے لئے میری آواز ہی کارآمد ہے، کال سینٹر کی جاب میں کر سکتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''ذرا سا پرسنل سوال ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں، آپ نے اپنی آنکھیں کیسے کھوئیں؟'' وہ بولا۔

''ایک حادثہ ہوا تھا، چار سال قبل۔'' اُس نے مختصراً جواب دیا۔

''میں آپ کو اپوائنٹ کر لیتا ہوں۔ ہم ایک ماہ آپ کو ٹریننگ دیں گے۔ ٹیلی فون مینرزم اور باقی گُر سکھائیں گے، پھر کالز پہ آپ کو لگائیں گے۔ آپ کون سی شفٹ میں کام کرنا پسند کریں گی؟ صبح سات سے دن بارہ بجے تک آسٹریلین کمپین ہوتی ہے۔ دوپہر دو سے رات دس بجے تک یو کے کی شفٹ اور رات گیارہ سے صبح چھ تک امریکہ کی۔ آپ کو جو موزوں لگے۔'' اُس نے پوچھا۔

''سر! کیا میں صبح اور دوپہر دونوں شفٹس میں کام کر سکتی ہوں؟''

''پوچھ سکتا ہوں، اس کی وجہ کیا ہے؟'' اُسے تشویش ہوئی۔

''میں اکیلی رہتی ہوں۔ پانچ سال کا ایک بیٹا بھی ہے۔'' اُس کے لہجے میں اُداسی سی در آئی۔

''اور آپ کے ہزبینڈ؟''

''اُنہوں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ ملک سے باہر رہتے ہیں۔'' اُس نے مختصراً جواب دیا۔

''آپ کو اپائنٹ منٹ لیٹر مل جائے گا۔ آپ اگلے پیر کو جوائننگ دے سکتی ہیں۔'' احد نے بغور اُس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تھینک یُو سر!'' وہ بولی۔

''اور آپ کو دو شفٹس میں کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ یو کے کی کمپین میں آپ کی اچھی سیلری بن جائے گی۔'' احد نے نرمی سے کہا۔ پھر وہ کچھ رسمی الفاظ کہہ کے چلی گئی۔

اس کے بعد کچھ اور انٹرویوز بھی ہوئے لیکن احد کا دھیان اب کام سے ہٹ گیا تھا۔ جس محبت کو اتنے سال کسی زخم کی طرح پالا تھا، جس کی پٹیاں تبدیل کی تھیں، جس پہ بدل بدل کے مرہم لگائے تھے، وہی محبت خود زخم خوردہ ہو کر آنکھوں کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ

جس نے زندگی میں روشنی بھری تھی، وہی اپنی آنکھوں کی روشنی گنوا بیٹھی تھی۔ نجانے کس موڑ پر، نجانے کس طرح سے۔ نجانے حالات نے اُسے کیا کچھ دکھایا تھا۔ وہ دیر تک سگریٹ کے دُھوئیں میں اپنے جواب تلاشتا رہا۔

❖❖○❖❖

وہ روزانہ آفس آنے جانے لگی تھی۔ آنکھوں کے سامنے رہنے لگی تھی۔ احد نے بہت بار کوشش کی کہ وہ اُسے اپنے بارے میں بتا دے لیکن پھر ہمت ہی نہ کر پایا۔ اکثر لنچ بریک کے دوران کینٹین میں یا لفٹ میں احد کی اُس سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ اب اُن دونوں میں ہلکی پھلکی گفتگو بھی ہونے لگ گئی تھی۔ لیکن احد چاہ کر بھی اُسے کبھی بتا نہیں پایا کہ وہ کون ہے؟ وہ اندر ہی اندر مضطرب سا تھا۔ کئی سوالات اُس کے اندر غل مچا رہے تھے۔ وہ کیا وجوہات تھیں کہ اُس کی شادی ختم ہو گئی؟ وہ کیا حادثہ تھا، جس نے اُس کی آنکھیں چھین لیں؟ اُس کے گھر والوں میں سے کوئی اُس کے ساتھ کیوں نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

انہی اضطراب بھرے دنوں میں سے ایک دن تھا۔ وہ خود ہی اُس سے ملنے اُس کے آفس آئی تھی۔ سگرڈ نے اُس کی آمد کی اطلاع دی اور اگلے ہی لمحے وہ اُس کے سامنے بیٹھی تھی۔ لائٹ گرین کاٹن کے سوٹ میں ہمیشہ کی طرح منفرد اور جاذب نظر۔

''صدیقی صاحب! میں آپ کو انوائٹ کرنے آئی تھی۔'' وہ بولی۔ ''میرے بیٹے نقاش کا برتھ ڈے ہے کل شام۔ زیادہ بڑا تو نہیں، بس کچھ دوستوں کو مدعو کیا ہے۔ آپ ضرور آیئے گا۔ مجھے بہت خوشی ہو گی۔ اپنی فیملی کو بھی لے آیئے گا، اپنے بچوں کو بھی۔'' پیلے رنگ کے لفافے میں لپٹا کارڈ اُس نے احد کی جانب بڑھایا۔

''میں خود تو آ جاؤں گا، مگر میری کوئی فیملی نہیں۔ شاید اسٹاف میں سے کسی نے آپ کو بتایا ہو کہ میں ابھی بیچلر ہوں۔ Eligible bachelor۔'' احد نے مسکرا کے کہا۔

''میری تو یہاں کسی سے زیادہ ہائے ہیلو نہیں اور آپ کے بارے میں تو یہاں کسی کو زیادہ علم ہی نہیں۔ آپ کے نام کے متعلق بھی کئی قیاس آرائیاں ہوتی ہیں۔ یا آپ کو ایم اے ایس بلایا جاتا ہے، یا پھر صدیقی صاحب۔ آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں سر؟''

''کیا فرق پڑتا ہے اس سے؟ دنیا میں باپ کا نام، خاندان کا نام پہچان بنتا ہے، آخرت میں ماں کا نام، شادی ہو جائے تو عورت اپنا نام کھو دیتی ہے، بچے بڑے ہوں تو باپ کو بچوں کے نام سے پہچانا جاتا ہے، دفتر میں Designation نام بن جاتا ہے اور محلے میں ذات۔ بیوی ''سنیے جی'' کہہ کے پکارتی ہے، بچے پاپا یا ڈیڈی، کوئی چچا، تو کوئی

انکل وغیرہ وغیرہ۔ راستہ چلتے لوگ بھائی صاحب، بڑے میاں یا پھر ابے او۔ اپنی شناخت اور اپنا نام تو فقط اندر ہی کہیں رہ جاتا ہے۔ دنیا کی بھیڑ میں کہیں کھو سا جاتا ہے۔'' احد نے کہا۔

''بہت دلچسپ باتیں کرتے ہیں آپ سر! آپ کی باتیں مجھے کسی کی یاد دلا دیتی ہیں۔'' وہ اُداسی سے بولی۔

''کس کی؟'' احد کا دل دھڑکا۔

''تھا کوئی دوست، یونیورسٹی میں۔ وہ بھی لفظوں کو اپنا تابع بنا دیتا تھا۔'' اُس کی ویران آنکھیں کہیں کھو گئیں۔ احد نے پیار بھری آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُسے خوشی ہوئی کہ وہ کم از کم اُسے یاد تو کرتی ہے، دوست کہہ کے بلاتی تو ہے۔ وہ اپنا بیگ تھامے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا سر! میں چلتی ہوں۔ ضرور آیئے گا۔''

''انشاء اللہ!'' وہ مسکرایا۔

اُس کے جانے کے بعد وہ دیر تک اُسی کی یادوں میں کھویا رہا۔

❖❖○❖❖

وہ چھوٹے سے تحفے کے ہمراہ پارٹی میں موجود تھا۔ حرمین اُسے باری باری سبھی مہمانوں سے ملوا رہی تھی۔ اُنہی مہمانوں میں ثناء بھی شامل تھی، جو کہ پہلے اپنے ساتھ کھڑی عورت سے محوِ گفتگو تھی لیکن حرمین کے متوجہ کرانے پر وہ مڑی اور اُس کی آنکھیں ٹھہری کی ٹھہری رہ گئیں۔

''ثناء! یہ صدیقی صاحب ہیں۔ میرے باس۔ اور سر! یہ ثناء ہیں، میری بہت اچھی دوست اور کلاس فیلو۔'' حرمین نے تعارف کروایا۔

ثناء ہکا بکا اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات پل پل بدل رہے تھے۔ وہ حرمین کو کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن احد نے گردن کے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔

''نقاش کہاں گیا؟..... نقاش!..... میں اُسے لے کر آتی ہوں۔'' حرمین نے باتوں کے درمیان کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

''کیا حرمین کو پتہ ہے کہ اُس کے باس کا اصل نام کیا ہے؟'' ثناء اور احد ذرا کونے میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ثناء نے پوچھا۔

''نہیں، میں ہمت نہیں کر پایا اُسے بتانے کی کہ میں کون ہوں۔'' اُس نے کہا۔

''ہمیشہ کی طرح دیر سے بتائیں گے آپ۔ زرش کیسی ہے؟'' ثناء نے پوچھا۔

''کون؟ زرش آفریدی؟'' وہ تمسخرانہ ہنسا۔ ''وہ محض افواہ تھی کہ میں اُس سے شادی کروں گا۔''

''اس کا مطلب، آپ نے شادی نہیں کی؟'' ثناء نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

''اس کے بغیر جینا اتنا مشکل تھا، شادی کیا خاک کرتا؟'' وہ تاسف سے خلاء میں گھورتے ہوئے بولا۔ کچھ پل دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

''اس کے ساتھ بھی بہت برا ہوا تھا۔ جس کا اتنے سال اس نے انتظار کیا، وہ آیا، اس نے اس سے شادی بھی کی اور شادی کے کچھ عرصے بعد اُس کی پہلی انگریز بیوی آئی اور اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔'' ثناء نے شاہ میر کے متعلق اطلاع دی۔

''کیا وہ پہلے سے.....شادی؟'' احد حیرت میں مبتلا تھا۔

''ہاں.....اُس نے بتایا ہی نہیں تھا، وہ چلا گیا۔ پھر نقاش اس دنیا میں آیا۔ حرمین نے اسے بہت بلایا، بہت رابطہ کیا، وہ تو نہیں آیا، اُس کی طرف سے طلاق نامہ آ گیا۔ محبت کی شادی تھی۔ گھر والے پہلے ہی حرمین سے خفا تھے۔ اپنا بچہ لے کر کہاں جاتی؟ ابھی وہ اسی کشمکش میں تھی کہ اپنی آنکھیں بھی کھو بیٹھی۔'' ثناء نے اُسے تفصیل بتائی۔

''لیکن کس طرح؟'' احد بہت دُکھ سے اُس کی کہانی سن رہا تھا۔

''خود ڈرائیو کر کے جا رہی تھی۔ کچھ تو خود بھی اس میں زندہ رہنے کی تمنا نہ تھی اور کچھ وقت بھی بہت ظالم تھا۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا، کھو دی اپنی بصارت اُس نے۔'' ثناء کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

''پھر کراچی آ گئی۔ چھوٹی موٹی نوکریاں کرنے کے بعد اسے آپ کے یہاں نوکری ملی۔ اب کچھ ذہنی طور پر سیٹل ہے۔''

''لیکن اتنا سب ہو گیا اور مجھے بتایا بھی نہیں۔ کیا میں دوست کی حیثیت بھی نہ رکھتا تھا؟'' احد نے نرمی سے کہا۔

''کہاں سے ڈھونڈتی وہ اور کہاں سے ڈھونڈتی میں؟ آپ حیدر آباد میں تھے ہی نہیں اور وہ اس قدر خود دار ہے کہ وہ کسی سے بھی مدد مانگنا نہیں چاہتی۔ مجھ سے بھی نہیں۔''

''لیکن آنکھوں کا علاج تو کروا سکتی تھیں ناں تم اُس کا۔ آپریشن یا پھر ٹرانسپلانٹ۔''

''ہو سکتا ہے اُس کا آپریشن.....دکھایا تھا میں نے ڈاکٹر کو۔ لیکن کہاں سے آتا اتنا پیسہ۔ مجھ سے یہ کچھ بھی لینے کو تیار نہ تھی۔ میرے ہزبینڈ خود ڈاکٹر ہیں، ان کی مدد سے ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے کوئی چیز معنی نہیں رکھتی۔'' ثناء نے افسوس سے کہا۔

''میری ایک مدد کر سکتی ہو ثناء؟.....میں حرمین کی آنکھیں اُسے واپس دینا چاہتا ہوں، میں اُس کا آپریشن کروانا چاہتا ہوں۔ اُسے منانا تمہارا کام ہے، باقی میں سب کر لوں گا۔'' احد نے ملتجی انداز میں کہا۔ ثناء مسکرا دی۔

''واقعی احد بھائی! آپ ایسا کریں گے؟''

''اُس کے لئے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں ثناء! وہ اور اُس کی محبت میرے لئے، میری اپنی زندگی سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔'' احد کے لہجے میں یقین تھا۔ ثناء نے کچھ حیرت اور کچھ پیار سے اس لڑکے کی جانب دیکھا، جس کے اندر کتابوں اور کہانیوں میں سے اُٹھ کر محبت آ بسی تھی۔ وہ مٹ جانے کی حد تک محبت کرتا تھا۔ گو کہ اُسے محبت نے کچھ نہیں دیا تھا، لیکن پھر بھی اُس کا اوڑھنا بچھونا فقط اُس کی محبت ہی تھی۔

❖❖○❖❖

کہا اُس نے، میرے ہونے کا یہ احساس تم ہو ناں
کہا اُس نے کہ جیون کی حسیں اِک آس تم ہو ناں
کہا اُس نے، تمہارے بن کوئی بھاتا نہیں مجھ کو
کہا میں نے، مجھے بھی تو جہاں میں راس تم ہو ناں
کہا اُس نے، ہمیں یہ فاصلے دُور نہ کر دیں
کہا میں نے، تمہارے شک تمہیں ہی چور نہ کر دیں
کہا اُس نے، تصور میں ترے میں کھوئی رہتی ہوں
کہا میں نے، تیرے جذبے تجھے مشہور نہ کر دیں
کہا اُس نے دُعائیں زندگی کی مانگتے کیوں ہو
کہا میں نے، میری اس ذات سے منسوب تم ہو ناں
کہا اُس نے کہ جنت میں خدا سے کس کو مانگو گے
کہا میں نے، میرے ہمدم، میرے محبوب تم ہو ناں
کہا اُس نے کہ تم کو زیست کیا محسوس ہوتی ہے
کہا میں نے، تمہارے بن سزا محسوس ہوتی ہے
کہا اُس نے کہ آنکھوں میں لکھی تحریر کیسی ہے
کہا میں نے کہ جذبوں کی دُعا محسوس ہوتی ہے

کہا اُس نے، مجھے گرداب سے باہر نکالو تم
کہا میں نے، کرو کچھ حوصلہ، خود کو سنبھالو تم
کہا اُس نے، کوئی ایسا نہیں، اپنا جسے مانوں
کہا میں نے، میرے شانوں پہ آنسو سب بہالو تم
کہا اُس نے، محبت زندگی میں درد لاتی ہے
کہا میں نے کہ معجزے بھی تو محبت ہی دکھاتی ہے
کہا اُس نے، محبت میں فقط آنسو ہی آنسو ہیں
کہا میں نے کہ ہنسنا بھی محبت ہی سکھاتی ہے

کامیاب آپریشن کے چند روز بعد آج اُس کی پٹی کھلنی تھی اور اُس نے رنگ و نُور کی دُنیا میں واپس لوٹنا تھا۔ نظاروں اور روشنی کو دوبارہ اپنی آنکھوں کی پُتلیوں میں مقید کرنا تھا۔ اندھیروں کے ساتھ کو چھوڑنا تھا، ستاروں کو دوبارہ مٹھیوں میں بھرنا تھا۔

ہاسپٹل کے اس چھوٹے سے پرائیویٹ رُوم میں ثناء اور حرمین کی بہن موجود تھے۔ ننھا نقاش اپنی خالہ کی گود میں تھا اور احد کمرے کے باہر کھڑا یہ تمام منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نئی زندگی پانے والی آنکھوں کو کوئی صدمہ پہنچے، یا وہ کوئی ایسی چیز دیکھیں، جو وہ دیکھنا نہیں چاہتیں۔ وہ اس لئے منظرِ عام سے ہٹ گیا تھا۔

ڈاکٹر آہستہ آہستہ اُس کی آنکھوں پہ بندھی پٹی کی گرہیں کھولتا جا رہا تھا۔ گرہیں مکمل طور پر کھول کے ڈاکٹر نے شفاف رُوئی ہٹائی۔

''کس کا چہرہ آپ سب سے پہلے دیکھنا چاہیں گی؟ میرا خیال ہے، اپنے بیٹے کا۔'' ڈاکٹر زیدی نے پوچھا۔

''میں سب سے پہلے اپنے محسن کا چہرہ دیکھنا چاہوں گی ڈاکٹر صاحب! جس کی بدولت یہ روشنی آج مجھے واپس ملی ہے۔'' وہ بند آنکھوں سے بولی۔ عجب کشمکش تھا۔ آنکھیں کھلنے کو مچل رہی تھیں۔ روشنی دیکھنے کو تڑپ رہی تھیں۔

''اندر آ جایئے صدیقی صاحب! ان آنکھوں کو آپ کی ضرورت ہے۔'' ثناء نے مسکرا کے اُسے بلایا۔ وہ بدستور ڈرا ہوا تھا۔

''نہیں ثناء! وہ مجھے دیکھنا نہیں چاہے گی۔'' وہ مسلسل نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔

''وہ تمہیں ہی دیکھنا چاہ رہی ہے۔ آ جاؤ اندر۔'' ثناء اُس کا ہاتھ پکڑ کے اُسے اندر لائی۔

وہ عین اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

''اب آپ اپنی آنکھیں آہستہ آہستہ کھولیں۔'' ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

اُس نے دھیرے سے اپنی پلکوں کو جنبش دی۔ برسوں سے اندھیرے میں بھٹکتی آنکھیں روشنی میں آ کے چندھیانے لگیں۔ کئی بار آنکھیں جھپکنے کے بعد آنکھیں روشنی کی تیز رفتار سے ذرا مانوس ہوئیں اور آنکھ کھلنے کے بعد بھی اُس نے سب سے پہلے اُسی چہرے کو دیکھا..... احد کے چہرے کو..... اُسی چہرے کو جو بھی آنکھوں میں بھی ستاروں کی طرح جگمگایا کرتا تھا۔ جو اندھیرے کی دبیز چادر کو چیر کے اپنے دمکتے چہرے اور چمکتی مسکان کے ساتھ اُس کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ وہی چہرہ، جو پانچ برسوں تک خوابوں میں زندہ رہا تھا، نُور کی کوئی وحی بن کے رُوح پہ نازل ہوتا تھا، روشنی کی واحد کرن بن کر آتا تھا، محبت کی معراج بن کے لمحہ لمحہ ساتھ رہا تھا۔ وہ، جس کی وجہ سے زندگی ابھی باقی تھی۔

''احد صدیقی!'' مکمل طور پہ آنکھیں کھلنے کے بعد اُس نے پہلا نام یہی لیا تھا اور احد وہاں زیادہ دیر رُک نہ سکا۔ یہ لمحہ اُس کے لئے فیصلہ کن تھا۔ وہ ان آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کے لئے یہی بہت تھا کہ لحظہ بھر کے لئے ہی سہی، ان آنکھوں نے اُسے دیکھا تو۔ وہ کمرہ چھوڑ کے چلا گیا۔ حرمین کی آنکھیں گویا وہاں منجمد سی ہو گئی تھیں۔

❖❖○❖❖

وہ ثناء کے ہمراہ کتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔ نقاش اُس کی گود میں سو گیا تھا۔ ننھے فرشتوں سے اُس کے نقوش دیکھ کر ماں کے کلیجے میں راحت سی آ گئی تھی۔ اتنے سال اُس کے خال و خد کو فقط ہاتھ لگا کے محسوس کیا تھا، انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا ایک سرشاری کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ ثناء جو چائے بنا کر لائی تھی، وہ ان دونوں کے درمیان بیڈ پہ رکھی تھی۔ اس میں سے گرم بھاپ اُٹھ رہی تھی۔

''کم از کم ایک بار..... ایک بار تم ہی بتا دیتیں کہ احد ہی صدیقی صاحب ہیں۔'' حرمین نے ٹھہر ٹھہر کے کہا۔

''تو اس سے کیا ہوتا؟ تم آپریشن نہ کرواتیں؟ ساری عمر اندھیروں میں رہتیں۔ اور تم جانتی ہو کہ احد نے کوئی خرچہ اپنی طرف سے نہیں کیا۔ کمپنی نے میڈیکل دیا ہے تمہیں، ایک ایمپلائی کی حیثیت سے۔'' ثناء نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''لیکن پھر بھی، واسطہ تو احد صدیقی ہی بنا ناں۔ ایک اور احسان اُس کا میری ذات

پہ۔'' حرمین نے ٹھنڈی آہ بھری۔ کپ لے کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا۔

''کیا احسان کیا ہے اُس نے تم پہ؟'' ثناء نے پوچھا۔

حرمین نے نقاش کو بیڈ پہ لٹایا اور خود اُٹھ کے کھڑکی تک آئی۔ باہر سرما کی ہوائیں کھڑکی سے ٹکرا کے شائیں شائیں کر رہی تھیں۔ اِکا دُکا گاڑیوں کے ہارن سماعتوں سے ٹکرا رہے تھے۔

''چاہے جانے کا احساس، بہت انمول ہوتا ہے۔ احد نے مجھے ہمیشہ چاہا، میری خواہش کی، مجھے اپنا مانا۔ حالانکہ اُسے جواب میں میری طرف سے صرف انکار ملا اور نارسائی ملی۔ لیکن پھر بھی وہ مجھے چاہے گیا۔ یہ احسان تھا اُس کا مجھ پہ۔ اس انمول اور ماورائی محبت نے شاہ میر کی بے وفائی کے احساس کو ادور لیپ کیا۔ اُس کی بے وفائی مجھے توڑ نہیں پائی۔ اُس کے جانے کے بعد میں ٹوٹی نہیں، بکھری نہیں، مری نہیں۔ بس اِک احساس تلے جیتی رہی کہ احد نے مجھے چاہا ہے۔ اُس کے الفاظ، اُس کے گیت، اُس کے وائلن کی دُھنیں، اُس کی یادیں میری زندگی رہیں۔ میں جیتی رہی، اُس کے خوابوں میں کھوئی میں زندگی کو برتتی رہی۔ اُس کے ہونے کا احساس ہمیشہ آس پاس ہوتا۔ میں کسی کو بھی دیکھ نہیں سکتی تھی، لیکن اُس کا چہرہ میری آنکھوں میں ہمیشہ جگمگاتا رہا۔ وہ ٹھیک کہتا تھا کہ اُس کی محبت کبھی نہیں ہار سکتی۔ اکائی کی طاقت ہمیشہ جیتتی ہے۔ میرے دل کے پور پور نے، میری شریانوں کے روم روم نے لمحہ لمحہ مجھے احساس دلایا کہ اُس کی محبت سچی تھی۔ وہ جیت گیا مجھ سے۔ وہ مسیحا ہے میرا۔ وہ محسن ہے میرا۔'' حرمین کی آنکھوں میں نمی سی جھلملا رہی تھی۔ ثناء اپنی دوست کی آنکھوں میں پہلی بار احد کے لئے لفظ محبت پڑھ رہی تھی۔

''مجھے یہ جان کے حیرت ہوئی کہ احد نے تمہارے بعد تنہائی کو ہی اپنا جیون بنا لیا۔ اُس نے آج تک شادی نہیں کی، بقول اُس کے، وہ تمہارے بنا جی نہیں سکتا تو شادی کیا خاک کرے گا۔'' ثناء کی بات پر وہ مزید حیرت میں مبتلا ہو گئی۔

''تو پھر.....وہ.....زرش آفرید؟'' حرمین نے پوچھا۔

''افواہ تھی وہ۔ انتقامی افواہ۔ تمہاری محبت میں فنا ہوتے احد نے انتقامی افواہ اُڑائی تھی، تمہاری اور شاہ میر کی شادی کی اطلاع پا کے۔''

حرمین کی آنکھ سے اِک آنسو پھسل آیا تھا۔

''اُس نے مجھ سے اتنی محبت کی ثناء! اور میں اس کے جواب میں اسے کچھ نہیں دے سکی۔ وہ مجھ پہ ہر آن احسان کرتا گیا اور میں اس کا بدلہ بھی نہیں چکا پائی۔ شاید اُس کا اُجلا

دل، اُس کی لافانی محبت میری ذات سے بھی بڑی ہے۔ کائنات سے بھی گہری ہے..... میں چاہ کر بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس کا بدلہ نہیں اُتار سکتی، اس کی تنہائیوں کے بدلے اسے چاہت نہیں دے سکتی۔'' وہ صوفے پہ بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ محبت اُس کے روم روم سے محسوس کی جا سکتی تھی۔

ثناء اُٹھ کے اُس کے پاس آئی، اُس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، اُس کی گود میں رکھے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھ کے پیار سے بولی۔

''میں اُسے بھی جانتی ہوں، میں تمہیں بھی جانتی ہوں۔ میں نے اُس کی محبت اور تڑپ بھی دیکھی ہے اور آج میں وہ تمہاری آنکھوں سے بھی دیکھ رہی ہوں۔ میں نے اُسے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ اپنے احساسات بے کم و کاست تم تک پہنچائے، اور تمہیں بھی یہی کہوں گی۔ تحفے کا بدلہ تحفہ، پیار کا بدلہ پیار، نیکی کا بدلہ نیکی۔ ہمارے مذہب نے بھی ہمیں یہی سکھایا ہے ناں؟ تو پھر وہ شخص جس نے ہر دھڑکن پہ تمہارا نام لکھا ہے، جس نے اپنی پوری زندگی تمہیں دان دی ہے، کیا وہ تمہاری محبت اور تمہاری قربت کا اہل نہیں؟ کیا وہ مستحق نہیں کہ اسے چاہت ملے، قربت اور ساتھ ملے؟''

ثناء کی بات پہ اُس کے آنسو اور شدت سے بہہ رہے تھے۔ کارنر ٹیبل پہ رکھی شمع بھی آنسو بہا رہی تھی۔ اُس کی موم ٹیبل پہ پھیل کے کسی پرانے یونانی مجسمے کی عورت سے مشابہہ لگ رہی تھی۔

''کیا وہ اپنی لازوال محبت کے بدلے میں، میری محبت قبول کر لے گا؟'' آنسوؤں سے تربتر چہرے پہ اِک سوال بدستور تھا۔

''وہ آج بھی تمہارا منتظر ہے، فقط تمہارا۔'' ثناء نے مسکرا کے اُس کے ہاتھ پہ بوسہ دیا اور وہ اپنی ہمدرد اور غمگسار دوست کے سینے سے لپٹ کے دیر تک روتی رہی۔

❖❖○❖❖

احد نے آفس سے چھٹی کی ہوئی تھی اور ثناء نے حرمین کو بتا دیا تھا کہ وہ کہاں ہو گا۔ لہٰذا حرمین، حیدر آباد پہنچنے کے بعد سیدھی المنظر کے کنارے آ گئی تھی۔ سورج کے غروب ہونے میں ابھی تھوڑا ہی وقت تھا۔ وہ دُور سے ہی احد کو پہچان گئی تھی۔ سرمئی رنگ کی شلوار قمیض میں وہ احد ہی تھا اور اُس کے ہاتھ میں وہ رومال تھا، جو اُس کے زخموں کے اوپر اپنے دوپٹے سے پھاڑ کے حرمین نے باندھا تھا۔

وہ کسی غیر محسوس طاقت سے چلتی ہوئی، پتھر پھلانگتی اُس کے برابر میں جا بیٹھی تھی۔ احد

نے اُس کی موجودگی کو محسوس نہیں کیا۔ وہ تو اس رومال کی لازوال خوشبو میں کہیں کھویا تھا۔ حرمین نے اُس کے کندھے پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ اُس نے چونک کے اُسے دیکھا اور اُس کی آنکھیں اُس کے چہرے پہ ٹھہری گئیں۔

''آ.....آپ؟''

''میں آج تمہیں یہ بتانے یہاں آئی ہوں، کہ انا کی طاقت اور محبت کبھی ہار نہیں سکتیں۔ چاہے انہیں جتنا بھی روندا، مسلا اور کچلا جائے، ان سے جتنا بھی انکار کیا جائے۔ تمہاری محبت جیت گئی ہے احد! تمہاری فتح ہوئی ہے۔'' حرمین نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''کیا واقعی؟'' وہ نم آنکھوں میں بے یقینی بھرے اُسے دیکھ رہا تھا۔ حرمین کی چمکتی آنکھوں میں بھی شفاف پانی جھلملایا۔ اُس نے احد کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اُس کے کندھے پہ اپنا سر ٹکا دیا۔

''آج تمہیں تمہاری ہی وہ نظم سنانے کا دل کر رہا ہے۔ تم میری آخری محبت ہو۔ وہی، جس پہ تم نے مشاعرے میں ایوارڈ جیتا تھا۔'' حرمین نے دھیرے سے کہا۔

''وہ فقط نظم نہیں، میرے احساس تھے۔'' احد نے اُس کے ہاتھ پہ اپنی گرفت مضبوط کی۔

''اور یہ کیا ہے؟'' حرمین نے رومال لے کر اسے دیکھا۔ سوکھے خون کے دھبے اس پہ آج بھی موجود تھے۔

''یہ میری محبت کی چھوٹی سی دنیا ہے۔ المنظر کا کنارہ، میری محبت اور غروب ہوتا سورج۔'' احد نے ہوا کے سامنے اس رومال کو رکھا۔ تیز ہوا میں وہ پھڑ پھڑانے لگا اور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گر پڑا۔ احد اُسے پکڑنے کے لئے اُٹھا مگر حرمین نے اُسے روک دیا۔

''اب اس کی ضرورت نہیں ہے.....اب میں آ گئی ہوں، کبھی نہ جانے کے لئے۔'' وہ مسکرائی۔

''تم تو کہیں گئی ہی نہیں تھیں۔ تم تو ہمیشہ میرے پاس تھیں۔ میری آنکھوں، میرے دل اور میری روح میں، میری آخری محبت بن کر۔'' احد نے اُس کی پیشانی پہ مہر محبت ثبت کی۔

سفید رومال مٹیالے پانی میں تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ خون کے دھبے ڈھل رہے

تھے۔ چھوٹی چھوٹی لہریں اسے آگے بڑھا رہی تھیں۔ لازوال محبت کی نشانی اپنے کندھوں پہ رکھے وہ کسی نئے ستارے کے دیس کو جا رہا تھا، جہاں وعدے ٹوٹتے نہیں، نغمے بکھرتے نہیں اور محبتیں کبھی زوال نہیں پاتیں۔

بہت دیر تک وہ دونوں اُس ننھے رومال کو لہروں پر تیرتے ہوئے اپنے سے دُور، بہت دُور جاتا دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ پانی کی سطح پر سے معدوم ہو گیا۔ المنظر کی سطح پر ایک اور لازوال محبت نے زندگی پائی تھی۔ لہروں نے اپنے سینے پہ اک اور پریم کتھا تحریر کی تھی۔